سلطنتِ مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

در

مملکتِ کبریا جلّ وعلا

حکیم الامت شیخ التفسیر مُفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور

سلطنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

در

مملکتِ کبریا جل وعلا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اُولِی الصِّدْقِ وَالصَّفَاءِ۔

دنیاوی بادشاہ اپنے درباروں کے آداب اور ان میں حاضری دینے کے قوانین خود بناتے ہیں اور اپنے مقررہ حاکموں کے ذریعہ رعایا سے ان پر عمل کراتے ہیں کہ جب ہمارے دربار میں آؤ تو اس طرح کھڑے ہو۔ اس طرح بات کرو۔ اس طرح سلامی دو۔ پھر جو کوئی آداب بجالاتا ہے اس کو انعام دیتے ہیں۔ جو اس کے خلاف کرتا ہے بادشاہ کی طرف سے سزا پاتا ہے۔ پھر ان کے یہ سارے قاعدے صرف انسانوں پر ہی جاری ہوتے ہیں جن فرشتے حیوانات وغیرہ کو ان سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ان پر ان کی کوئی سلطنت نہیں تو پھر یہ سارے آداب اس وقت تک رہتے ہیں جب تک بادشاہ زندہ ہے۔ اس کی آنکھ بند ہوئی وہ دربار بھی ختم۔ سارے آداب بھی فنا۔ اب نیا دربار ہے نئے قاعدے

ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت رفت و منزل بہ دیگرے پرداخت

لیکن اس آسمان کے نیچے ایک ایسا دربار بھی ہے جس کے آداب اور جس میں حاضر ہونے

کے قاعدے سلام و کلام کرنے کے طریقے خود رب تعالیٰ نے بتلائے۔ اپنی خلقت کو بتائے کہ اے میرے بندو! جب اس دربار میں آؤ تو ایسے ایسے آداب کا خیال رکھنا اور خود فرمایا کہ اگر تم نے اس کے خلاف کیا تو تم کو سخت سزا دی جائے گی۔ پھر لطف یہ ہے کہ اب وہ شاہی دربار ہماری آنکھوں سے چھپ گیا۔ اس کی چہل پہل ہماری نگاہوں سے غائب بھی ہوگئی اس شہنشاہ نے ہم سے پردہ بھی فرمالیا۔ مگر اس کے آداب اب تک وہی باقی۔ اس کا طمطراق اسی طرح برقرار رہا۔ اس دربار کے قوانین لفظ انسانوں ہی پر جاری نہیں بلکہ وسعت سلطنت کا یہ حال ہے کہ فرشتے بغیر اجازت وہاں حاضر نہ ہوسکیں۔ جنات جھجکتے ہوئے حاضر ہوں۔ جانور سجدے کریں۔ بے جان کنکر اور درخت کلمے پڑھیں اور اشارہ پر گھومیں۔ چاند۔ سورج اشاروں پر چلیں۔ اس کے اشارے ابر سے بادل آکر برسیں اور دوسرا اشارہ پاکر بادل پھٹ جائیں۔ غرضیکہ ہر عرشی فرشی اس قاہر حکومت کے بندۂ بے زر۔ مسلمانو! معلوم ہے وہ دربار کس کا ہے؟ وہ دونوں جہاں کے مختار حبیب کردگار۔ کونین کے شہنشاہ، دارین کے مالک و مولیٰ، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار ہے۔ دوستو! آؤ ہم تم کو قرآن کی سیر کرائیں۔ اور دکھائیں کہ اس نے اس سچے شہنشاہ کونین کے دولہا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے کیا ادب سکھائے۔

کچھ لوگ زمانۂ رسالت میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی قربانی کر لیتے ہیں اور کچھ لوگ رمضان سے پیشتر روزے رکھنا شروع کر دیتے ہیں تو رب فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سنتا ہے جانتا ہے۔ اس آیت نے ادب سکھایا کہ کوئی مسلمان اللہ کے حبیب علیہ السلام سے کلام میں، چلنے میں غرض کسی بات میں حضور سے آگے نہ ہو۔ حتیٰ کہ راستے میں اگر حضور کے ساتھ جا رہا ہے تو آگے نہ چلے۔ ایک صحابی ہیں جن کا نام ہے حضرت قیس ابن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو اونچا سننے کی بیماری تھی۔ جب بارگاہِ

رسالت میں حاضر ہوتے تو بات کرتے میں آواز اونچی ہو جاتی۔ بھلا رب کو یہ کب منظور تھا کہ کوئی میرے حبیب کے حضور میں بلند آواز سے بولے۔ ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○

اے ایمان والو! نبی علیہ السلام کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو۔ جیسے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ چلاتے ہو کہیں تمہارے عمل برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ سبحان اللہ کیسا ادب سکھایا۔ کہ اس بارگاہ میں حاضری دینے والوں کو زور سے بولنے کی بھی اجازت نہیں۔ حضرت قیس ابن شماس اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بوجہ خوف بارگاہ نبوت حاضر نہ ہوئے۔ سرکار نے ایک روز دریافت فرمایا۔ کہ کچھ روز سے قیس نہیں آتے لوگوں نے حضرت قیس کے گھر جا کر غیر حاضری کا سبب پوچھا۔ فرمانے لگے میں جہنمی ہو گیا۔ کیونکہ میری آواز اونچی ہے۔ اور آیت کریمہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ یہ ماجرا بارگاہِ رسالت میں عرض کیا گیا۔ تو فرمایا کہ وہ جنتی ہیں یعنی اب تک جو ہو گیا وہ معاف ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر و عمر و بعض دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس قدر آہستہ آواز سے کچھ عرض کرتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کئی کئی بار پوچھتے تھے کہ کیا کہتے ہو ان کے حق میں یہ آیت کریمہ آئی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ بے شک وہ لوگ جو رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں یہ وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا۔ ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے سبحان اللہ معلوم ہوا کہ یہ وہ دربار ہے جہاں کسی کو سر اونچا کرنے کی ہمت نہیں ؎

اونچے اونچے یہاں جھکتے ہیں
سارے انہیں کا منہ تکتے ہیں

قبیلہ بنی تمیم کے کچھ لوگ دوپہر کے وقت بارگاہِ رسالت میں پہنچے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم دولت خانہ میں آرام فرما رہے تھے۔ ان لوگوں نے حجرے شریفہ کے باہر سے پکارنا شروع کر دیا۔ رب تعالیٰ کو پسند نہ ہوا کہ کوئی اس دولہا کو پکار کر بلائے جس کے گھر میں حضرت جبریل بے اجازت نہیں جا سکتے۔ فوراً آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ اے پیارے وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ ان میں اکثر بے عقل ہیں۔

اب رب تعالیٰ ادب سکھاتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ اور اگر یہ لوگ اتنا صبر کرتے کہ آپ ان کے پاس خود تشریف لاتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ادب سکھایا کہ اگر کوئی شخص ایسے وقت آئے کہ میرے محبوب علیہ السلام دولت خانہ میں ہیں تو ان کو آواز دے کر نہ بلاؤ بلکہ تشریف آوری کا انتظار کرو۔ جب وہ نازنین سلطان خود تشریف لائیں تب عرض و معروض کرو۔

حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب سے نکاح کیا۔ ولیمہ کی عام دعوت فرمائی۔ عام مسلمان جماعتیں بناتے تھے اور کھاتے پیتے تھے آخر میں تین صاحب کھانے سے فارغ ہو کر اسی جگہ بیٹھ گئے تھے اور ان کی بات کا کچھ ایسا سلسلہ دراز ہوا وہ بہت دیر تک بیٹھے رہے۔ مکان تنگ تھا ان کے بیٹھنے سے حضور کو کچھ دشواری محسوس ہوئی مگر کرم کریمانہ کی وجہ سے ان سے نہ فرمایا کہ چلے جاؤ۔

ان حضرات کو یہ محسوس نہ ہوا بھلا رب تعالیٰ کو یہ کب پسند تھا کہ کوئی زیادہ بیٹھ کر ملال کا سبب بنے آیت کریمہ اُتری۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ وَلٰکِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ۔ اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو جب تک کھانا کھانے کے لیے بلائے نہ جاؤ نہ اس طرح کہ خود کھانا پکنے کا انتظار کرو ہاں جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو جاؤ اور جب کھا چکو تو چلے جاؤ بیٹھ کر باتوں سے دل نہ بہلاؤ۔

اس سے معلوم ہوا بارگاہِ نبوت میں دعوت کھانے کے آداب یہ ہیں کہ کھانا پکنے سے پہلے وہاں نہ پہنچو اور کھانا کھا کر پھر وہاں نہ بیٹھو کیوں؟ اس کی وجہ قرآن بیان فرما رہا ہے۔ اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ وَاللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ تمہارے اس فعل سے میرے نبی کو ایذا ہوتی تھی۔ لیکن وہ غیرت والے محبوب تمہارا لحاظ فرماتے تھے اور اللہ حق فرمانے میں نہیں شرماتا۔

صحابہ کرام کا یہ طریقہ تھا کہ اگر محبوب علیہ السلام کے کسی لفظ کو نہ سمجھ سکتے۔ تو عرض کرتے رَاعِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ یَا حَبِیْبَ اللّٰهِ ہمارا لحاظ فرما دیجئے۔ یعنی اس لفظ کو دوبارہ فرما دیجئے۔ تاکہ ہم سمجھ لیں۔ لفظ راعنا یہود کی زبان میں گستاخی کا لفظ تھا۔ انہوں نے یہی لفظ دوسرے معنی کی نیت سے بولنا شروع کر دیا۔ اور دل میں خوش ہوئے کہ ہم کو بارگاہِ رسالت میں بکواس بکنے کا موقع مل گیا۔ وہ بھیدوں کا جاننے والا اور نیتوں سے واقف رب ہے اس کو یہ کیسے پسند ہو سکتا تھا کہ کسی کو میرے محبوب کی جناب میں گستاخی کا موقع ملے آیت کریمہ آئی۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اے ایمان والو! راعنا نہ کہنا بلکہ یوں عرض کر لیا کرو کہ اُنْظُرْنَا یعنی رسول اللہ ہم پر نظر رکھیں اور کافروں کو دردناک عذاب ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ بارگاہ ایسے ادب کی جگہ ہے جہاں ایسے لفظ بولنے کی بھی گنجائش نہیں جس سے کسی دشمن کو بدگوئی کا موقع مل جائے۔ ایک زمانہ میں ایسا اتفاق ہوا کہ مالدار مسلمان حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی گفتگو کا سلسلہ اتنا دراز کر دیتے تھے کہ فقراء مسلمین کو کچھ عرض کرنے کا موقع ہی نہ ملتا تھا تو آیت اُتری یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىکُمْ

صَدَقَةً ط اے ایمان والو! جب تم اللہ کے رسول سے کچھ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لیا کرو۔ سبحان اللہ! اگر رب سے عرض و معروض کرنا ہو یعنی نماز پڑھنا ہو تو وضو کرنا کافی ہے مگر رب کے محبوب علیہ السلام سے عرض کرنا ہو تو پہلے صدقہ و خیرات کرو۔ اس سے دو فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ پابندی لگانے سے غریب مسلمانوں کو بھی بارگاہ میں کچھ عرض کرنے کا موقع مل جائے گا۔ دوسرے یہ کہ دل میں اس بارگاہ کا ادب بیٹھ جائے گا جو چیز کچھ خرچ اور محنت سے حاصل ہو اس کی وقعت ہوتی ہے اگرچہ یہ آیۃ کریمہ بعد کو منسوخ ہو گئی مگر بارگاہ رسالت کی شان کا پتہ لگ ہی گیا۔ اپنے محبوب کو مکہ معظمہ میں نہ رکھا بلکہ وہاں سے تین سَو میل کے فاصلہ پر مدینہ منورہ میں رکھا تاکہ کوئی شخص حج کے طفیل زیارت نہ کرے بلکہ زیارت پاک کے لئے علیحدہ سفر کرکے حاضر ہو تاکہ اس کو زیارت کی قدر ہو حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ اے ایمان والو! اللہ و رسول کے بلانے پر فوراً حاضر ہو جاؤ۔ آیت میں اس بارگاہ کا یہ ادب سکھایا کہ اے حاضر رہنے والو! جس وقت تمہارے کان میں میرے محبوب کے بلانے کی آواز پہنچے تو تم جس حال میں بھی ہو فوراً حاضر ہو جاؤ۔

صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا اگر اس کی کچھ تفصیل دیکھنا ہو تو ہماری کتاب "شانِ حبیب الرحمٰن" کا مطالعہ کرو جس میں بتایا گیا ہے کہ کوئی صحابی نماز میں ہوتے اور حضور علیہ السلام ان کو پکارتے تو وہ نماز چھوڑ کر حاضر ہو جاتے تھے حتیٰ کہ ایک صحابی اپنی بیوی سے ہمبستری کر رہے تھے کہ انھوں نے حضور کا پکارنا سنا بغیر فراغت علیحدہ ہو گئے اور حاضر خدمت ہوئے ایسے بہت سے واقعات ہیں ٥

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

یہ چند آیات بطور نمونہ پیش کی گئیں جس میں بارگاہ عالی کے آداب سکھائے گئے

ہیں۔ اگر زیادہ تفصیل کی جائے تو اس کے لئے دفتر درکار ہیں۔ اب یہ بھی قرآن ہی سے پوچھ لو۔ کہ باادب اور خوش نصیب لوگوں پر حق تعالیٰ کے کیسے انعام ہوئے وہ گذشتہ آیات میں ضمناً معلوم ہو گئے کہ ان کو تقویٰ کا تمغہ دیا گیا اور مغفرت اور بڑے بڑے اجر کی خوش خبری دی گئی کہیں فرمایا گیا کہ خدا ان سے راضی وہ خدا سے راضی۔ غرض ان کی تعریف سے قرآن پُر ہے۔ بے ادبوں پر جو غضب الٰہی آیا اس کی بہت تفصیل نہیں کرتا صرف دو واقعے سناتا ہوں۔

ولید ابن مغیرہ کافر نے ایک بار بکا تھا آپ مجنون یعنی دیوانہ ہیں۔ اس کی اس گستاخی سے دلِ مبارک کو صدمہ پہنچا۔ پھر کیا تھا غضبِ الٰہی کا دریا جوش میں آگیا۔ سورہ قلم شریف میں اولاً تو اپنے محبوب کو ان کے فضائل اور خوبیاں سنا کر خوش کیا گیا۔ کہ مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ٥ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ٥ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ٥ اے پیارے تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔ تمہارے لئے تو بے انتہا ثواب ہے اور بیشک تم بڑے ہی اخلاق والے ہو یعنی اے محبوب علیہ السلام اس کو بکنے دو۔ وہ کچھ بھی بکتا پھرے ہم تو تمہاری ایسی خوبیاں بیان فرما رہے ہیں۔ اس کی نہ سنو اپنے رب کی سنو۔ اب اس گستاخی پر توجہ غضب ہوتی ہے اس کے دس عیب ارشاد فرمائے گئے۔ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ٥ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ٥ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ٥ اے محبوب ایسے کی بات نہ سنو جو جھوٹی قسمیں کھانے والا، ذلیل، خوار، طعنہ باز، بڑا چغل خور، بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا، سخت گنہگار، سخت دل۔ اس پر طرّہ یہ کہ حرام کا بچہ ہے۔ جب ولید نے یہ آیت سُنی تو اپنی ماں کے پاس پہنچ کر کہنے لگا کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو میرے دس عیب بیان فرمائے ہیں ان میں سے نو کو تو میں جانتا ہوں کہ مجھ میں واقعی وہ عیب ہیں۔ مگر یہ تو بتا کہ میں حرامی ہوں یا حلالی؟ سچ بولنا۔ ورنہ تیری گردن مار دوں گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات جھوٹی نہیں ہوتی۔ اس پر اس کی ماں نے کہا کہ واقعی تو ہے تو حرامی۔ تیرا باپ نامرد اور بہت مالدار تھا مجھے

اندیشہ ہوا کہ میرے کوئی اولاد نہ ہوئی تو میرا مال غیر لے جائیں گے تو میں نے ایک چرواہے سے زنا کروایا تو اس کا نطفہ ہے اس میں یہ بھی ارشاد ہو رہا ہے کہ جو شقی حضور علیہ السلام کی توہین کو اپنا پیشہ بنا لے اس کی اصل میں خطا ہوتی ہے ایسے بدگویوں کو چاہیئے کہ اپنے نطفہ کی تحقیق کریں۔ پھر ارشاد ہوا سَنَسِمُہٗ عَلَی الْخُرْطُوْمِ ہم اس کی سور کی سی تھوتھنی پر داغ لگا دیں گے یعنی اس کا چہرہ بگاڑ دیں گے۔ کہ اس کی بدباطنی چہرے سے نمودار ہو گی آخرت میں تو جو ہو گا وہ ہو گا دنیا میں بھی ولید کی شکل بگڑ گئی (خزائن وجلالین وغیرہ) اب بھی حضور کے گستاخوں کے چہروں پر ایمانی رونق نہیں ہوتی۔ بعض گستاخوں کے منہ پر مکھیاں بھنکتی اور آخر میں شکل بگڑتی دیکھی گئی نعوذ باللہ منہ۔

ایک بار ابولہب گستاخ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا۔ کہ تمہارا ہاتھ ٹوٹ جائے غضب الٰہی کا دریا جوش میں آیا اور ارشاد ہوا تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَہَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ ۝ سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ وَّامْرَاَتُہٗ حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ فِیْ جِیْدِہَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝ ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو جائیں (ٹوٹ جائیں) اور وہ تباہ ہو بھی گیا۔ اس کو اپنا مال اور کمائی کچھ کام بھی نہ آئی۔ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں وہ بھی اور اس کی جورو بھی پہنچیں گے۔ جو لکڑیاں کا بوجھ سر پر اٹھاتی ہے۔ اس کے گلے میں کھجور کی چھال کا رسا ہے۔

معلوم ہوا کہ اس بدنصیب نے ایک بدگوئی کی اس کے جواب میں اس کو اور اس کی جورو ام جمیل کو جو کچھ سنایا گیا۔ وہ معلوم ہو ہی گیا بلکہ بعد کو اس کی عورت اسی طرح مری کہ وہ حضور کی ایذا رسانی کے لئے خود اپنے سر پہ کانٹوں کا بوجھ لاد کر لاتی اور حضور کے راستے میں ڈالا کرتی تھی ایک دن کانٹوں کا بوجھ لا رہی تھی کہ تھک کر آرام کے لئے ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ ایک فرشتے نے اس کے پیچھے سے اس کا بوجھ کھینچا وہ گرا اور اس کی رسی سے ام جمیل کے گلے میں پھانسی لگ گئی اور مر گئی۔

اب نہ وہ ولید رہا نہ ابولہب مگر اس پہ رات دن مشرق و مغرب میں لعنت پڑ رہی ہے کہ نمازی نماز میں قرآن پڑھنے والا تلاوت میں ان القاب سے ان کی تواضع کر رہے ہیں۔

ایک لطف اور ہے وہ یہ کہ اب ظاہری آنکھوں میں وہ دربار نہیں نہ وہ دعوت ولیمہ کی دھوم دھام ہے نہ وہ آوازہ مبارک کے نغمے۔ ہمارے یہ نصیب کہاں تھے کہ ان مجلسوں کا نظارہ کرتے اور اپنے کانوں سے وہ خدا بھاتی آواز سنتے ؎

جو ہم بھی واں ہوتے خاک گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے!

لیکن اس بزم کے آداب اسی طرح لوگوں کے سامنے ہیں کہ ؎

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

اگر بعد والوں کو وہ باتیں دیکھنا میسر نہ ہوئیں تو کم سے کم سن کر ایمان لائیں اور وجد میں آکر ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر پڑھ پڑھ کر لطف حاصل کریں ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر؛
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

انہیں کے رب کی قسم اس دربار کا نکالا ہوا کہیں بھی پناہ نہیں پاتا۔ دنیا کے بادشاہوں کے مجرم مر کر حاکم کے عتاب سے چھوٹ جاتے ہیں مگر ان کا مجرم نہ زندگی میں عزت پائے نہ قبر میں چین، نہ حشر میں آرام اور اس بارگاہ کا مقبول ہر جگہ عزت پاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے خوب لکھا ہے ؎

تو جو للکارے آتا ہوا الٹا پھر جائے — تو جو چمکارے ہر پھر کے ہو تیرا تیرا
دل پہ کندہ ہو ترا نام کہ وہ دزدِ رجیم — الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا

بخاری جلد اول کتاب المناقب میں ہے کہ ایک شخص کاتب وحی تھا کہ وحی لکھنے کی خدمت اس کے سپرد تھی کچھ ایسی پھٹکار پڑی کہ وہ مرتد ہو گیا اور حضور علیہ السلام کو عیب لگانے لگا جب وہ مر گیا اور اس کو دفن کیا گیا تو زمین نے اسے اپنے اندر سے

باہر نکال پھینکا دوست سمجھے کہ شاید اصحاب رسول اللہ نے اس کو نکال دیا ہے اور زیادہ گہرا گڑھا کر کے دفن کیا۔ مگر زمین نے پھر بھی قبول نہ کیا نکال کر پھینک دیا۔ غرض کئی بار دفن کیا مگر نعش باہر آ گئی تو معلوم ہوا کہ یہ بارگاہِ مصطفٰے کا نکالا ہوا ہے اس کو کوئی بھی قبول نہ کرے گا۔ اسی طرح مدارج النبوۃ میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ و کلثوم ابولہب کے دو بیٹوں یعنی عتبہ و عتیبہ کے نکاح میں تھیں کیونکہ اس وقت تک مشرکین سے نکاح حرام نہ ہوا تھا جب سورۂ تبت نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے ان دونوں بیٹوں سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق دیدو ورنہ میں تم کو اپنی میراث سے محروم کردوں گا چنانچہ عتیبہ نے تو بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر معذرت کر کے طلاق دی اور عتبہ نے گستاخی سے طلاق دی۔ اللہ کے محبوب نے فرمایا کہ اے اللہ اپنے کسی کتے کو مقرر فرما جو اس کو سزا دے عتبہ یہ سن کر کانپ گیا آ کر ابولہب سے کہا۔ ابولہب بولا اب میرے بیٹے عتبہ کی خیر نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بددعا اس کے پیچھے پڑ گئی۔ ہر طرح اسکی نگرانی رکھنے لگا۔ یہی عتبہ ایک بار تجارتی قافلہ کا سردار ہو کر شام کو چلا۔ ابولہب نے اپنے غلاموں کو وصیت کی کہ عتبہ کو اپنے بیچ میں سلایا کریں۔ ایک جگہ رات کو قافلے والے سو رہے تھے کہ جھاڑی سے ایک شیر نکلا ہر ایک کا منہ سونگھتا پھرا سب کو سونگھ کر چھوڑ دیا مگر عتبہ کا منہ سونگھ کر اس کو پھاڑ ڈالا۔ معلوم ہوا کہ اس بارگاہ میں بے ادبی کرنے والوں کے منہ سے ایسی بدبو نکلتی ہے کہ جس کو جانور معلوم کر لیتے ہیں کہ گستاخ کا منہ یہ ہے۔

اب مقبولین بارگاہ کا حال بھی سنتے چلو۔ حضرت سفینہ جو حضور علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام تھے ایک بار کفار کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے کچھ روز بعد انہیں خبر ملی کہ لشکر اسلام اس علاقہ میں آیا ہوا ہے رات کو موقع پا کر جیل خانہ سے نکل بھاگے۔ دوڑے جا رہے تھے کہ اچانک جھاڑی سے ایک شیر نکلا۔ آپ نے اس سے کہا کہ اے شیر میں رسول اللہ کا غلام ہوں۔ راہ بھولا ہوا ہوں یہ سن کر

شیر دُم ہلاتا ہوا آگے آگے ہو لیا اور راستہ دکھا کر بلکہ لشکر تک پہنچا کر واپس ہوا۔ (دیکھو مشکوٰۃ باب الکرامات)

یہ دو تین واقعات اہل ایمان کی عبرت کے لیے کافی ہیں۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ عظمتِ رسول کے گیت گایا کریں۔ اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دیں اور واعظین علماء کو چاہیئے کہ مسلمانوں کو یہ باتیں سکھائیں۔ یقین کرو کہ حضور علیہ السلام کی عزت میں اسلام کی عزت ہے۔ کیونکہ مکان کی عزت مکان والے کی عزت سے اور کام کی وقعت کام والے کی وقعت سے ظاہر ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر سمجھو کہ ایک جلسہ میں ہندو عیسائی یہودی اور مسلمان جمع ہوں۔ ہندو اُٹھ کر کہے میرا رامچندر وہ قوت والا ہے جس نے سیتا سے شادی کرنے کے لئے ایک بھاری کمان کو دو ٹکڑے کر دیا۔ عیسائی اُٹھ کر کہے کہ میرے مذہب کے بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ شان تھی کہ انہوں نے مُردوں کو زندہ کر کے اپنا کلمہ پڑھوا لیا۔ یہودی اُٹھ کر کہے کہ میرے بانی مذہب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہ شان تھی کہ انہوں نے پتھر میں عصا مار کر پانی کے چشمے نکال دیئے۔ مگر آپ اُٹھ کر وہ کہیں جو مولوی اسمٰعیل اور مولوی خلیل نے لکھا کہ میرے نبی تو بندۂ مجبور تھے ان کو تو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہ تھا وہ تو ذرہ ناچیز سے بھی کم تھے۔ ان کا علم تو شیطان اور ملک الموت کے علم سے بھی کم تھے تو بتاؤ کہ تم نے اسلام کی تعظیم کی یا توہین؟ وہ لوگ سُن کر یہی کہیں گے کہ ایسے اسلام کو ہمارا دُور ہی سے سلام ہے جس کے پیشوا کی مجبوری یا بے کسی کا یہ عالم ہو۔ ہاں اس موقع پر کوئی مجھ جیسا فقیر نیاز مند ہو وہ تڑپ کر کہے گا کہ اے ہندو! اگر رام چندر نے ایک بھاری کمان کو توڑ ڈالا ہے تو ذرا میرے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی خداداد قدرت کو تو دیکھ کہ انہوں نے انگلی پاک کے اشارے سے پورے چاند کو توڑ کر دو کمانیں کر دیا۔ اور اے عیسائی! اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بے جان مُردوں میں جان ڈالی تو میرے محبوب علیہ السلام کی خداداد قوت دیکھ کہ جنہوں نے سوکھی لکڑیاں اور جنگل کے درختوں اور کنکروں سے اپنا کلمہ پڑھوا لیا اور اے یہود! اگر

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر میں سے پانی نکالا تو میرے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بھی دیکھ جنہوں نے انگلیوں سے پانی کے چشمے نکال دیئے ؎

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجابِ رحمت کی ہیں جاری واہ واہ !

غرضکہ اسلام کی شوکت دکھانے کے لئے بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شوکت دکھانا ازبس ضروری ہے۔ مگر افسوس کہ اس زمانے کے بعض مسلم نما متدین اس رمز کو نہ سمجھے۔ شیطان نے ان کو یہ بتایا کہ انبیاء کی عزت بیان کرنے سے خدا کی توہین ہوگی۔ ان عقلمندوں نے ابلیسی توحید کو اسلامی توحید سمجھا کہ توحیدِ خدا کے لئے توہین مصطفےٰ ضروری ہے۔ یہی تو ابلیس نے کہا تھا حالانکہ حضور علیہ السلام کی عظمت رب کی قدرت کا مظہر ہے۔ شاگرد کی قابلیت سے استاد کی قابلیت کا پتہ چلتا ہے اور چیز کے جمال سے بنانے والے کا کمال معلوم ہوتا ہے جب اللہ کے محبوب کی عظمت کا خیال ہوگا تو یہی کہنا پڑے گا کہ اے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے رب کی قدرت کے قربان کہ جس نے ایسے کمال والے کو پیدا فرمایا۔

اسی بات کا لحاظ رکھتے ہوئے فقیر نے ایک کتاب "شانِ حبیب الرحمٰن از آیات القرآن" اور ایک کتاب جاء الحق لکھی۔ بفضلہ تعالیٰ وہ ملک میں ایسی مقبول ہوئیں کہ مجھے اس قدر امید بھی نہ تھی۔ ہندوستان کے ہر خطے میں پہنچی اور اہل سنت نے اپنی محبت کا اظہار کیا اور خوشنودی کے خطوط لکھے دعائیں دیں کسی دیوبندی یا وہابی کو اعتراض کرنے کی ہمت وجرأت نہ ہوئی۔ بلکہ خدا کے فضل سے بہت سے دیوبندی ان کتابوں کو دیکھ کر دیوبندیت سے توبہ کر کے مسلمان ہوگئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔ لیکن بعض اہل سنت کا اصرار ہوا کہ جاء الحق میں تقریباً تمام مسائل تو آ گئے مگر تین مسئلے نہ آئے جن کی اس وقت ضرورت ہے۔ ایک تو سلطنت مصطفےٰ کیونکہ دیوبندی اور وہابی جہاں حضور کے تمام کمالات کے منکر ہیں وہاں اس کے بھی منکر ہیں اور قرآن شریف میں جو آیات بتوں کی مجبوری ومقہوری کے لیے آتی ہیں وہ

انبیاء پر چسپاں کرتے ہیں اور بت پرستوں کی آیات کو مسلمانوں کے لیے پڑھتے ہیں بلکہ ان کو سارے قرآن مجید میں صرف یہی آیت نظر آئی قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔
دوسرے بیس رکعت تراویح۔ کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب نے اس پر جو کتاب لکھی الرامی النجیح اس سے اور مغالطہ بڑھتا ہے۔
تیسرے مسئلہ عصمت انبیاء کیونکہ کانپور سے ایک شخص برابر اس کے مخالف مضامین شائع کر رہا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ انبیاء کرام نعوذ باللہ گنہ گار بلکہ مشرک تھے بعد کو توبہ کی۔ میں نے ان مضامین کو اپنے رب کے کرم سے لکھ تو لیا مگر اس خیال میں رہا کہ جاء الحق کے دوسرے ایڈیشن میں یہ مسائل بڑھا دیئے جائیں گے۔ لیکن میرے محترم دوست منشی احمد دین صاحب نے بہت زور دیا کہ سلطنتِ مصطفےٰ بہت جلد شائع کر دی جائے اس کی سخت ضرورت ہے اور بہت مانگ ہے لہذا توکلاً علی اللہ اس کی تیاری کر دی۔ تیاری تو کر دی مگر اپنی بے بضاعتی اور کم علمی پر نظر کرتے ہوئے ہمت ٹوٹتی تھی لیکن اعلیٰ حضرت کے ان اشعار نے ہمت بندھا دی ؎

ٹوٹی آس بندھاتے یہ ہیں — چھوٹی نبضیں چلاتے یہ ہیں
ڈوبی ناؤ تراتے یہ ہیں — ہلتی نیویں جماتے یہ ہیں
فیض جمیل خلیل سے پوچھو — آگ میں باغ کھلاتے یہ ہیں

نہ وہ کام میری طاقت سے ہوا اور نہ یہ میری قوت سے ہوگا بلکہ وہ محبوب جس سے چاہیں اپنا کام لے لیں ؎

تم تو جس خاک کو چاہو وہ بنے بندۂ پاک — میں بھی کس کو بناؤں جو خفا تم ہو جاؤ

اس کتاب کا نام "سلطنتِ مصطفےٰ در مملکت کبریا" رکھتا ہوں اور اس کا بھی وہی طریقہ ہوگا جو جاء الحق کا ہے کہ دو باب میں یہ مسئلہ بیان کیا جائے گا پہلے باب میں حضور علیہ السلام کی بادشاہی کا ثبوت ہے دوسرے باب میں اس پر مخالفین کے اعتراضات وجوابات وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ وَھُوَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ۝ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۝

احمد یار خاں نعیمی اشرفی اوجھانوی
مہتمم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات پنجاب

۲۲ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۶۲ھ
یوم یکشنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم بحکم پروردگار کونین کے مالک ومختار ہیں زمان کے مالک آسمان کے مالک اپنے رب کی عطا سے جمیع کے مالک جہاں کے مالک رب کے احکام کے مالک انعام کے مالک ہیں۔

خالق کل نے آپ کو مالکِ کل بنا دیا!
دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضۂ اختیار میں

جس کو چاہیں اپنے رب کی عطا سے عطا فرمادیں جس کو جس سے محروم کردیں۔ اور جس کے لئے جو چاہیں حلال فرمادیں اور جو چاہیں حرام۔ غرضکہ دونوں جہاں کے شہنشاہ کونین کے مالک ومولیٰ ہیں۔

حکم نافذ ہے ترا سیف تری خامہ ترا
دم میں جو چاہے کرے دَور ہے شاہا تیرا

اس مضمون کو سن کر بفضلہ تعالیٰ اہل سنت تو باغ باغ ہو جاتے ہیں اور ان کے ایمان تازہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہندو نہیں، عیسائی نہیں، دیگر کفار نہیں بلکہ مسلمانی کا دم بھرنے والے دیوبندی، وہابی جل کر خاک سیاہ ہو جاتے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ داتا دے اور بھنڈاری کا پیٹ پھٹے، بھلا کوئی ان عقلمندوں سے پوچھے رب دینے والا اس کے حبیب لینے والے تم جلنے والے کون؟ اب اولاً تو اپنے رب سے پوچھتا ہوں کہ مولا بتا؟ تو نے اپنے پیارے کو کیا دیا؟ پھر اس لینے والے محبوب علیہ السلام سے عرض کرتا ہوں کہ آقا تم نے اپنے سے کیا کیا لیا؟ نیز صحابۂ کرام سے دریافت کرتا ہوں کہ اس عطا اور قبول کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ پھر ساری امت کے علماء سے دریافت کرتا ہوں کہ تمہارا اسی بارے میں کیا عقیدہ ہے۔ پھر دیوبندیوں اور وہابیوں سے پوچھوں گا کہ تم بھی کچھ بولو۔ اس بارے میں کیا کہتے ہو۔ پھر عقلی دلائل قائم کروں گا۔ لہذا اس کتاب کے دو باب کرتا ہوں پہلے باب میں حضور علیہ السلام کی بادشاہی کا ثبوت اور دوسرے میں مخالفین کے سارے اعتراضات مع جوابات

پہلے باب کی پانچ فصلیں ہیں۔ فصل اول میں حضور علیہ السلام کی سلطنت کا ثبوت قرآنی آیات سے دوسری فصل میں احادیث شریفہ سے تیسری فصل میں اقوال محدثین و مفسرین و علمائے امت سے چوتھی فصل میں مخالفین کے اقوال سے اس کی تائید و پانچویں فصل میں عقلی دلائل۔

نوٹ ضروری: حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مالکِ دوجہاں ہونے کا نہ تو یہ مطلب ہے کہ رب تعالیٰ کسی چیز کا مالک نہ رہا اور نہ یہ مطلب کہ حضور علیہ السلام رب تعالیٰ کی مثل مالک ہیں جس سے لازم آجائے کہ عالم کے دو مستقل مالک ہیں۔ بلکہ رب تعالیٰ کی ملکیت حقیقی قدیم اور ازلی وابدی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملکیت عطائی اور حادث ہے جیسے دنیوی بادشاہ اپنی سلطنت کے مالک ہم لوگ اپنے گھر بار کے مالک ہیں حضرت سلیمان روئے زمین کے مالک ہوئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ رب تعالیٰ ان چیزوں کا مالک نہ رہا بلکہ وہ حقیقی مالک ہے ہم مجازی اس کی ملکیت فانی ہے ہماری عطائی ہے۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملکیت خدا تعالیٰ کی نسبت سے ہے۔

پہلی فصل۔ قرآنی آیات کے بیان میں

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ اور نہیں برا لگا ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا (پ ۱۰ رکوع ۱۵) اس آیت سے معلوم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوگوں کو غنی اور مالدار فرماتے ہیں اور دوسروں کو غنی وہی کرے گا جو خود مالک ہوگا۔ ظاہر یہ ہے کہ فضلہ کی ضمیر رسول کی طرف لوٹے کیونکہ یہی قریب ہے واللہ اعلم۔ سورۃ توبہ پ ۱۰ رکوع ۱۲ میں ارشاد ہوا۔

(۲) وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰجِعُوْنَ ط اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اسی پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسول نے اُن کو دیا اور کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ اب ہمیں دے گا اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول اور ہمیں اللہ کی طرف رغبت ہے اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دیا بھی ہے اور دیں گے

بھی اور دیتا وہی ہے جس کے پاس خود بھی ہو حضور علیہ السلام کیا دیتے ہیں جو اللہ دیتا ہے وہ حضور علیہ السلام دیتے ہیں کیونکہ اس آیت میں ایک دینے کو دو کی طرف نسبت کیا گیا ہے یعنی اللہ سب کچھ دیتا ہے تو حضور بھی سب کچھ دیتے ہیں۔

(۳) اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۝ اے محبوب علیہ السلام ہم نے آپ کو کوثر دیدیا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو کوثر عطا فرمایا۔ کوثر سے مراد یا تو حوض کوثر ہے یا بہت بھلائی، یا بہت اُمّت، یا مقام محمود یا شفاعت کبریٰ یا بہت سے معجزات، یا دنیاوی غلبہ، یا ملکوں کی فتوحات، یا ساری خلقت پر بزرگی یا علم کثرت یعنی اللہ کے ماسوا ساری مخلوقات کچھ بھی مراد ہو مگر معلوم ہوا کہ رب نے دیا اور بہت کچھ دیا۔ محبوب علیہ السلام نے لیا اور دینے والے سے لینے والے کا مالک ہونا لازم آیا۔ نیز اَعْطَیْنَا ماضی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عطا ہو چکی اور قبضہ دیا جا چکا۔ ثابت ہوا کہ حضور مالک ہیں اور سالبہ کلیہ کی نقیض مؤجبہ جزیہ ہے۔ لہٰذا تقویت الایمان کا یہ کہنا کہ جس کا نام محمد یا علی ہے ایک چیز کا بھی مالک و مختار نہیں اس ارشاد ربانی کے خلاف ہے

لطیفہ: دنیا کی ساری نعمتوں کو رب تعالیٰ قلیل فرماتا ہے۔ یعنی بہت تھوڑی مگر جو حضور علیہ السلام کو دیا گیا۔ وہ کثیر نہیں۔ اکثر نہیں بلکہ کوثر ہے۔ یعنی زیادہ نہیں بلکہ بہت ہی زیادہ ہے دنیا تو میرے آقا کی ملکیت کا ایک کروڑواں حصّہ بھی نہیں۔

(۴) اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۝ (بے شک) اے محبوب علیہ السلام ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرمائی۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ رب نے حضور (علیہ السلام) کو فتح دی۔ اگر فتح سے مراد ہو ملکوں کا فتح کرنا تو ظاہر ہے کہ فتح کرنے والا مفتوحہ ملک کا مالک ہوتا ہے۔ حضور کی بادشاہت ثابت ہوئی اور اگر فتح کا معنیٰ ہے کھولنا تو آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے پیارے ہم نے تمہارے لیے بند دروازے کھول دیئے جس سے معلوم ہوا کہ جو دروازے اوروں کے لئے بند تھے وہ حضور کے لئے کھول دیئے گئے اور جنت کا دروازہ شفاعت کا دروازہ ہر نعمت کا دروازہ حضور کے لئے کھول دیا گیا۔

(۵) وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی (اے محبوب علیہ السلام) رب نے تم کو حاجتمند پایا۔ پس آپ کو غنی کر دیا۔

(۶) وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی (اے محبوب علیہ السلام) تم کو تمہارا رب اتنا دے گا کہ پیارے تم راضی ہو جاؤ گے۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ رب نے ان کو اس قدر دے دیا کہ دونوں عالم سے وہ غنی ہو گئے اور وعدہ فرمایا گیا کہ اور بہت کچھ دیں گے۔ جب خدا دے چکا محبوب لے چکے تو ملکیت خود بخود ثابت ہو گئی، پھر ان آیتوں میں یہ نہ فرمایا کہ کتنا دے کر غنی کر دیا اور کیا دے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ سب کچھ دیا جا چکا اور دیا بھی جائے گا۔ جس قدر خلقت بڑھتی جائے گی عطا ہوتی جائے گی۔

(۷) وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا ۝ (اے محبوب علیہ السلام) آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جو اقبال والا اور دولت مند ہو اس کو کہتے ہیں کہ فلاں پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ اسی طرح رب فرما رہا ہے کہ اے محبوب آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ خیال رہے کہ رب نے ساری دنیا کو قلیل کہا یعنی تھوڑی ہے اور دنیا کے معنی یہی ادنیٰ (حقیر) چیز ہیں۔ رب نے ان پر عظیم (بڑا) فضل فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ دنیا تو ملکیت محبوب کا ایک کروڑواں حصہ بھی نہیں۔ حضرت سلیمان کو ساری دنیا کی بادشاہت دی مگر رب نے ان کے متعلق یہ نہ فرمایا کہ ان پر بڑا فضل کیا جس سے معلوم ہوا کہ تخت و تاج سلیمان میرے آقا کی ملکیت اور سلطنت کا ایک صوبہ بلکہ ایک ضلع ہے صلی اللہ علیہ وسلم

اب یہ بھی ملاحظہ ہو کہ حضور مالک احکام ہیں اور کوئی عبادت بارگاہِ الٰہی میں اس وقت تک قبول نہیں جب تک حضور علیہ السلام اس کو پسند نہ فرمائیں۔ اور حضور علیہ السلام حرام و حلال کے مالک و مختار ہیں۔ سنو رب فرما رہا ہے۔

(۸) خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (اے محبوب ان کے مال میں سے صدقہ قبول فرما لو جس سے تم ان کو پاک ستھرا فرما دو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین

ہے۔ اس آیت کریمہ میں محبوب علیہ السلام کو وہ حکم دیئے جارہے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو توبہ کرنے والے صحابۂ کرام اپنے مال کا صدقہ آپ کی بارگاہ میں پیش کررہے ہیں اس کو قبول فرمالو اور ان کو پاک فرمادو۔ دوسرے یہ کہ ان کے لئے دُعا کردو۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ جو عبادت ہے اس وقت قابلِ قبول ہے جب کہ حضور علیہ السلام قبول فرمالیں۔ اگر یہ پابندی نہ ہوتی صحابۂ کرام کسی کو بھی دے دیتے۔ دوسرے یہ کہ کوئی بھی صرف عبادت سے پاک نہ ہوگا۔ بلکہ پاکی تو حضور کے کرم سے ملے گی کیونکہ یہاں فرمایا گیا کہ اس صدقہ سے آپ ان کو پاک کردو تیسرے یہ کہ رب تعالےٰ بغیر حضور کی شفاعت کے کسی کو کچھ بھی مرحمت نہیں فرماتا۔ فرمارہا ہے ان کے لئے دعا کرو۔ وہ تو اس پر بھی قادر تھا کہ بغیر حضور کی دعا کے ان کو سب کچھ دیدے مگر نہیں دیتا جب محبوب سے کہلا لیتا ہے تب دیتا ہے۔ چوتھے یہ کہ صحابۂ کرام کو اپنے اعمال پر چین نہیں آتا۔ جب تک ان اعمال کی رجسٹری حضور نہ فرمائیں۔ اسی لئے قرآن فرمارہا ہے کہ تمہاری دعا سے ان کے دلوں کو چین ہوگا ؎

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے

حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

(۹) وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (وہ نبی) لوگوں پر گندی چیزوں کو حرام فرماتے ہیں۔

(۱۰) وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۔ اور کفار ان چیزوں کو حرام نہیں مانتے جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام فرمائیں۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی حرام فرمانے کا اختیار دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور مالکِ احکام ہیں۔ دیکھو کتا، گدھا، بلی وغیرہ کی حُرمت قرآن میں ہم کو نہیں ملتی احادیث یعنی حضور کے فرمان ہی سے ملتی ہے۔

(۱۱) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ط نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو یہ حق ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کچھ فرمائیں تو انہیں اپنے معاملے کا کچھ اختیار رہے۔

اس آیت کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت زید ابن حارثہ جو حضور علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام تھے اور حضور کی خدمت میں رہتے تھے حضور نے ان کے نکاح کا پیغام حضرت زینب بنت جحش کو دیا۔ حضرت زینب بنت جحش خاندان قریش کی بڑی عزت والی بی بی تھیں۔ انہوں نے ان کے بھائی عبداللہ بن جحش نے اس کو منظور نہ کیا۔ کیونکہ وہ قریشی اور بہت باعزت تھیں اور حضرت زید قریشی نہ تھے اور نکاح میں کفو کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد ان سب کو راضی ہونا پڑا اور نکاح ہوگیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور مسلمانوں کی جان و مال اور اولاد کے مالک ہیں اور ایسے مالک کہ ان کے حکم کے مقابلے میں کسی کو اپنی جان و مال اور اولاد کا کچھ اختیار نہیں۔ دیکھو نکاح میں بالغہ لڑکی کی اجازت اور ان کے اہل قرابت کی رضا ضرور ہوتی ہے یہ کیسا نکاح ہے کہ اس میں کسی کی ناراضی کا اعتبار نہ کیا گیا۔ وجہ یہی ہے کہ سارے مسلمان مرد حضور کے غلام ہیں اور مسلمان عورتیں لونڈیاں۔ مولا کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے لونڈی کا نکاح کردے۔

(۱۲) قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (فرمادو اے محبوب علیہ السلام اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو) اس آیت کریمہ میں حضور کو اجازت دی گئی ہے کہ جہاں بھر کے مسلمانوں کی اپنا بندہ یعنی غلام فرمائیں۔

قُلْ یا عبادی۔ اور سب کو اپنا غلام وہی کہہ سکتا ہے۔ جو سب کا مالک ہو۔

مثنوی شریف میں ہے ؎ بندۂ خود خواند احمد در رشاد

جملہ عالم را بخواں قُل یا عباد

(۱۳) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ۔ اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے بُلانے پر فوراً حاضر ہوجاؤ جب تم کو بلائیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی اطاعت اور ان کے بلانے پر حاضر

ہونا مسلمانوں پر ہر حال میں لازم ہے اور اطاعت کے واجب ہونے کی یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام سب کے مالک ہیں۔ اس آیت کی تفصیل مقدمہ میں اور پوری تفصیل شانِ حبیب الرحمٰن میں کی جا چکی ہے۔

خاتمہ: عقل حیران ہے کہ اللہ کے محبوب علیہ السلام کی کیسی سلطنت ہے اور ان کی کیا شان کہ ان کے آنے سے زمانے میں انقلاب آگیا۔ دُنیا بدل گئی رب نے اپنے قوانینِ حکومت کو بدل دیا۔ اس سے پہلے عالم میں حق تعالیٰ کی جباری کا ظہور تھا اور حضور کی تشریف آوری کے بعد اس کی ستاری اور غفاری کی جلوہ گری ہے۔ غور تو کرو کہ پچھلی اُمتوں پیا ایک گناہ کرتے، یہ عذاب اُترا کسی قوم کی صورت مسخ کی گئی۔ کہیں پتھر برسے۔ کسی کو پانی کے سیلاب سے تباہ کیا گیا کسی کا تختہ لوٹا دیا گیا۔ کسی کو بندر اور سؤر بنا کر ہلاک کیا گیا۔ لیکن جب کفار مکہ نے کہا اے اللہ اگر اسلام سچا ہے تو ہم پر پتھر برسا دے تو اُن کے جواب میں پتھر نہ آئے عذاب نہ آیا دریائے غضب کو جوش نہ آیا۔ بلکہ یہ آیت آئی وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ط (اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب دے۔ جب تک کہ ان میں تم ہو) سبحان اللہ معلوم ہوا کہ وہ تو اسی قابل تھے کہ ان پر عذاب آجاتا لیکن یہ اس رحمت والے کا لحاظ ہے کہ رب عذاب نہیں بھیجتا۔ اگر آج ہم اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ جو عیب پہلی امتوں میں ایک ایک کر کے تھے ہم میں وہ سب ملا کر ہیں۔ کم تولنا۔ لڑکوں سے اغلام کرنا۔ ڈکیتیاں کرنا۔ غرض سارے عیوب موجود ہیں مگر نہ صورتیں بگڑتی ہیں نہ پتھر برستے ہیں نہ اور کوئی عذاب آتا ہے یہ صدقہ ہے اس شہنشاہِ کریم کا کہ دنیا میں امن وامان کا دور دورہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

دوسری فصل، احادیثِ شریف کے بیان میں

(۱) مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور مجھ کو سونپی گئیں۔ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضور کو تمام خزانہائے زمین کی کنجیاں عطا فرمائیں اور کنجی مالک ہی کو دی جاتی ہے۔ بھلا خیال تو کرو کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائیں اور کنجی مالک ہی کو دی جاتی ہے۔ بھلا خیال تو کرو کہ زمین کے خزانوں کی کوئی انتہا ہے، جو کچھ زمین پر ہے انسان حیوانات، ہر قسم کے غلے ہر قسم کے پھل، سونا، چاندی، موتی، جواہرات لعل، زمرد وغیرہ یہ سب زمین کے خزانے ہیں اور حضور ان کے مالک۔

(۲) مشکوٰۃ شریف کے اسی باب میں ہے اُعْطِيْتُ الْكَنْزَيْنِ الْاَحْمَرَ وَالْاَبْيَضَ یعنی مجھ کو دو خزانے عطا فرمائے گئے ایک سُرخ اور ایک سفید۔ معلوم ہوا کہ حضور کو تمام سونا چاندی عطا فرما دیا گیا اور قبضہ بھی دے دیا گیا تا کہ ملکیت ثابت ہو جائے۔

(۳) مشکوٰۃ شریف باب اخلاق النبی میں ہے لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الذَّهَبِ (اگر ہم چاہیں تو ہمارے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں) معلوم ہوا حضور علیہ السلام ہر طرح مالک مختار ہیں مگر ظاہر کرنا منظور نہیں۔

(۴) مشکوٰۃ شریف کتاب العلم میں ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ ط یعنی اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور ہم بانٹتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز جب بھی جس کو خدا دیتا ہے وہ حضور ہی کی تقسیم سے ملتی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے دینے اور حضور کے تقسیم فرمانے کے بغیر قید بیان فرمایا گیا ہے نہ زمانہ کی قید نہ چیز کی نہ لینے والے کی یعنی حضور علیہ السلام کیا بانٹتے ہیں وہ جو خدا دیتا ہے اور خدا تو ہر چیز دیتا ہے۔ لہٰذا حضور ہر چیز بانٹتے ہیں اور ہر چیز بانٹے گا وہی جسے مالک نے ہر چیز دی ہو، حضور کی ملکیت اور قبضہ ثابت ہوا۔

(۵) مشکوٰۃ باب السجود وفضلہ میں ہے ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے حضرت ربیعہ ابن ابی کعب اسلمی سے خوش ہو کر فرمایا "سَلْ" کچھ مانگ لو۔ انہوں نے عرض کیا اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِی الْجَنَّةِ یعنی میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں ارشاد فرمایا اَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ کچھ اور مانگتا ہے؟ عرض کیا بس یہی۔

اس حدیث سے تین طرح حضور کی بادشاہت ثابت ہوئی اوّلاً اس طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا کچھ مانگو یہ نہ فرمایا کہ فلاں چیز مانگو اور یہ وہی کہہ سکتا ہے جس کے قبضے میں سب کچھ ہو پھر حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی خوب سوچ کر وہ چیز مانگی جو بے مثل ہے یعنی جنّت اور جنّت کا صدر اعلیٰ علّیین جہاں حضور کا قیام ہو دوسرے اس طرح کہ حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ نے عرض کیا اَسْئَلُکَ میں آپ سے مانگتا ہوں یہ نہ کہا میں خدا سے مانگتا ہوں اور حضور علیہ السلام نے بھی نہ فرمایا کہ تم مشرک ہوگئے اور ظاہر بات ہے کہ چیز مالک سے مانگی جاتی ہے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ہر چیز کے مالک ہیں۔ تیسرے اس طرح کہ حضور نے اس کے جواب میں فرمایا کہ کچھ اور مانگ لو اس سے معلوم ہوا کہ جنت کے علاوہ کچھ اور دینے پر بھی قادر ہیں۔ مگر حضرت ربیعہ نے سمجھ لیا تھا کہ جب اس باغِ عالم کا پھول مل گیا تو پتوں کی کیا ضرورت ہے۔ خیر حضرت ربیعہ نہ مانگیں یہ ان کی خوشی دینے میں تو وہاں کوئی انکار نہیں ؎

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیئے

دینے والا ہے سچا ہمارا نبی

(۶ تا ۱۰) مشکوٰۃ شریف باب المعجزات میں چند احادیث ہیں۔

(۱) حضرت جابر کے گھر تھوڑے آٹے اور گوشت میں حضور علیہ السلام نے اپنا لعاب دہن شریف ڈال دیا تو وہ تھوڑا آٹا اور گوشت سینکڑوں آدمیوں نے کھا لیا۔ مگر نہ گوشت کم ہوا نہ آٹا اور نہ روٹی پکانے والی بی بی کو پکانے سے کچھ تھکن محسوس ہوئی (۲) ایک غزوہ میں ایک پیالہ پانی میں ہاتھ مبارک رکھ دیا تو انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوگئے اور پندرہ سو آدمیوں نے پانی سیر ہو کر پیا اور وضو کیا۔ (۳) حاسبیبیہ کے کنوئیں میں پانی بہت کم تھا حضور نے اس میں ایک تیر ڈال دیا۔ جس سے اس کنوئیں کا پانی زیادہ ہوگیا (۴) ایک بوڑھی عورت کو بلا کر اس کے مشکیزے کا منہ صحابہ کرام کے لیے کھول دیا وہ پانی سب کو کافی ہوا سب نے اپنے برتن بھر لئے اور خوب پی لیا مگر مشکیزہ اسی طرح بھرا رہا۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر چیز کے مالک ہیں دو وجہ سے اوّل تو یہ کہ حضرت جابر کے یہاں دعوت میں ان کی اجازت کے بغیر مہمانوں کو لے گئے۔ اس بوڑھی عورت کا پانی اس کی بغیر اجازت لوگوں کو پلایا۔ حالانکہ اور لوگ کسی کے گھر بغیر اجازت کسی کو نہیں لے جا سکتے اور بغیر مالک کی اجازت اس کی چیز کسی کو نہیں کھلا سکتے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر شخص کے مالک ہیں اور ہر شخص ان کا غلام۔ کیونکہ مالک کا حق ہے کہ اپنے غلام کا مال اس کے بغیر پوچھے خود کھائے اور دوسروں کو کھلائے۔ دوسرے اس طرح کہ غور تو کرو ان انگلیوں اور مشکیزے اور کنوئیں میں پانی کہاں سے آرہا تھا؟ دراصل اس کا اس وقت کنکشن کوثر و سلسبیل سے فرما دیا اور دنیا ہی میں وہ پانی سب کو پلا دیا اسی لیے حضور کی انگلیوں کا یہ پانی آبِ زمزم سے افضل مانا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور کونین کی نعمتوں کے مالک ہیں کہ اپنے غلاموں کو جس جگہ چاہیں جنت کی نعمتیں کھلا دیں۔

(۱۱) مشکوٰۃ شریف باب صلوٰۃ الخسوف میں ہے کہ حضور نے فرمایا۔ اِنِّی رَاَیْتُ الْجَنَّۃَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا مُنْقُوْدًا وَلَوْ اَخَذْتُهٗ لَاَكَلْتُمْ مِنْهَا مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا یعنی ہم نے اس گرہن کی نماز میں جنت کو دیکھا اور اس کا خوشہ (گچھا) پکڑا اگر ہم وہ خوشہ توڑ لیتے تو تم اس کو قیامت تک کھاتے رہتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو اجازت تھی کہ وہ مدینہ پاک میں کھڑے ہوئے جنت کے خوشے توڑیں اور صحابۂ کرام کو عطا فرمادیں۔ لیکن خود اپنے اختیار سے نہ توڑا جس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں رہ کر جنت کی ہر چیز کے مالک ہیں۔

(۱۲) تا (۱۴) مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ ایک میدان میں نے استنجا فرمانے کا ارادہ فرمایا۔ اس میدان میں دو درخت دُور کھڑے تھے پردہ کی غرض سے ان دونوں درختوں کو پکڑ کر ملا دیا۔ وہ درخت اونٹوں کی طرح حضور علیہ السلام کے پیچھے پیچھے چلے آئے اور ان کی آڑ میں حضور نے استنجا فرمایا۔

(۱۵) شامی باب المرتدین میں ہے حضور علیہ السلام کے ہاتھ مبارک پر مردے زندہ

ہوکر اسلام لائے حتیٰ کہ حضرت آمنہ خاتون اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما (اپنے والدین) کو بھی زندہ فرما کر مسلمان کیا۔

(۳) اسی شامی میں اسی جگہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی نمازِ عصر حضور کی نیند پر قربان کردی۔ قصّہ یہ تھا کہ حضور نمازِ عصر پڑھ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ حضرت علی نے ابھی تک عصر کی نماز نہ پڑھی تھی۔ آفتاب ڈوبتا رہا اور حضرت علی خاموش بیٹھے رہے کیونکہ ان کا خیال تھا اگر میں نماز کے لیے اٹھا تو حضور کے آرام میں خلل واقع ہوگا۔ آفتاب ڈوب گیا اور حضرت علی کی عصر قضا ہوگئی۔ حضور نے بیدار ہوکر ڈوبے ہوئے سورج کو واپس لوٹایا۔ گئے ہوئے دن کو عصر بنایا اور حضرت علی کی گئی ہوئی عصر ادا کے ساتھ پڑھا دی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضور کونین کے مالک ہیں دو وجہ سے ایک تو اس لیے کہ مرنے کے بعد کسی کا ایمان قبول نہیں ہوتا اور وقت کے بعد نماز ادا نہیں ہوسکتی۔ مگر اس سلطان کی حکومت کے صدقہ و قربان کہ اپنے ماں باپ کو ان کی وفات کے بعد ایمان دے کر انہیں صحابی بنا دیا۔ اور رب نے قبول فرمالیا اور علی کی گئی ہوئی نماز ادا کرادی اور پھر لطف یہ کہ حضرت علی کے سوا جن لوگوں نے نمازِ عصر پہلے پہلے پڑھ لی تھی ان سے اعادہ نہ کرایا گیا۔ یہ ایک ہی وقت حضرت علی کے لئے عصر ہے۔ اور دوسروں کے لئے نہیں۔ هٰكَذَا فِي الشَّامِي فِي هٰذَا الْمَقَامِ۔

مصطفےٰ! تیری شوکت پہ لاکھوں سلام

دوسرے اس لئے کہ آفتاب آسمان پر رہتا ہے اور مُردوں کی رُوح عالم کی ایک چڑیا ہے مگر حضور کی بادشاہت ان پر بھی جاری ہے کہ ادھر سے اشارہ ہوا ادھر سے اطاعت ہوئی کہ سورج ڈوبا ہوا لوٹا اور والدین کی روح اس عالم

سے واپس آئی ؎

اشارے سے چاند چیر دیا　　چھپے ہوئے خورشید کو پھیر دیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا　　یہ تاب و تواں تمہارے لئے

معلوم ہوا کہ حضور مالکِ احکام بھی ہیں کہ نماز کے اوقات میں فرق فرمادیا۔ حضور علیہ السلام کے والدین کے ایمان کی بحث شانِ حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔

(۱۵) مشکوٰۃ شریف باب المعجزات میں ہے کہ ایک صحابی نے جمعہ کے دن خطبے کے وقت قحط سالی کی شکایت کی حضور نے منبر پر ہی بارش کی دعا فرمائی۔ ابھی خطبہ ختم نہ ہوا تھا کہ بارش شروع ہوگئی دوسرے جمعہ تک لگاتار بارش ہوتی رہی۔ پھر انہی صاحب نے عرض کیا کہ بارش بہت ہوچکی ہے مکان گر رہے ہیں۔ حضور نے منبر پر کھڑے کھڑے انگلی کا اشارہ فرمایا۔ اشارہ سے بادل پھٹ گیا اور عرض کیا اے اللہ اب ہم پر بارش نہ ہو آس پاس برسے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بادلوں پر بھی حکومتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ بلانے پر چلے آتے ہیں اور اشارہ سے لوٹ جاتے ہیں نہ ماہ ساون ہوا کی شرط ہے نہ موسم کی قید۔

(۱۶) اسی مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اڑیل گھوڑے پر ایک بار حضور نے سواری فرمائی تو وہ گھوڑا ہمیشہ کے لیے اچھا ہوگیا۔ اور پھر کبھی نہ اڑا۔ معلوم ہوا کہ عالم کے جانوروں پر بھی حضور علیہ السلام کی سلطنت ہے۔

(۱۷) اسی مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ حضور نے اس کو فرمایا کہ داہنے ہاتھ سے کھا۔ اس نے شرمندگی مٹانے کے لیے عرض کی کہ میرا داہنا ہاتھ بے کار ہے۔ فرمایا۔ کہ جا آج سے بے کار ہوگیا۔ چنانچہ اس دن سے اس کا ہاتھ ایسا بے کار ہوا کہ پھر کبھی منہ تک نہ آسکا۔ معلوم ہوا کہ انسان کے اعضا کی قوت و حرکت حضور علیہ السلام کے حکم میں ہے۔

(۱۸) اسی مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ حضور پر ابر سایہ کرتا تھا اور بحیرہ راہب

کے ہاں جب کہ حضور دعوت میں پہنچے تو دعوت کا انتظام ایک درخت کے سایہ میں تھا اور وہ سایہ لوگوں سے بھر چکا تھا۔ حضور تشریف لائے تو اس درخت نے جھک کر آپ پر سایہ کر لیا۔ ہمارے ہاں کے امراء کو نوکر چاکر دھوپ میں چھتری لگاتے ہیں مگر اس بادشاہ کی سلطنت درختوں اور بادلوں پر بھی ہے کہ وہ اپنے اس مالک کو پہچان کر خدمت بجا لاتے ہیں۔

(۱۹) مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک سوکھی بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگا کر اس سے اس قدر دودھ نکالا کہ تمام جماعت دودھ سے سیر ہو گئی، مالکہ کے سارے برتن بھر گئے۔ معلوم ہوا کہ حضور ایسے شہنشاہ ہیں کہ جس جگہ سے چاہیں اپنی ملکیت حاصل کر لیں ہر جگہ ان کا شاہی بنک قائم ہے۔

(۲۰) مشکوٰۃ باب الکرامات میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغ میں ایک بار حضور تشریف لے گئے تو ان کا باغ سال بھر میں دوبارہ پھل دینے لگا۔

(۲۱) حاکم اور ابن عدی اور عساکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ اِشْتَرَىٰ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَنَّةَ يَوْمَ رُوْمَةَ وَيَوْمَ جَيْشِ الْعُسْرَةِ۔ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو قدموں پر حضور علیہ السلام سے جنت خرید کی۔ ایک تو جب کہ جب مدینہ منورہ میں سوا رومہ کے کوئی کنواں نہ تھا۔ عثمان غنی نے اس کو خرید کر وقف کر دیا۔ دوسرے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جب کہ مسلمان غازی بے سروسامان تھے ان کو سامان دے دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سے رومہ کنوئیں کے بدلے جنت خرید لی اور حضور نے بیچ دی اور جنت وہی بیچے گا جو یا تو جنت کا مالک ہوگا یا مالک کا مختار۔

(۲۲) امام احمد ابو نعیم اور ابن حبان نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور نے فرمایا:

یعنی مجھ کو دنیا کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام وہ کنجیاں چتکبرے گھوڑے پر میرے پاس لائے۔

ابو نعیم نے بہ روایت ابن عباس حضرت آمنہ خاتون سے روایت کی۔ آپ فرماتی ہیں کہ جب حضور علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ نے سجدہ فرمایا پھر ایک سفید ابر نے حضور کو مجھ سے لیکر غائب کر دیا پھر کچھ دیر بعد آپ ظاہر ہوئے تو دیکھتی ہوں کہ حضور کے مبارک ہاتھ میں کنجیاں ہیں اور کوئی کہہ رہا ہے کہ فتحمندی اور نبوت کی کنجیوں پر حضور نے قبضہ فرما لیا پھر دوسرا بادل آیا اور اس نے بھی حضور کو مجھ سے غائب کر دیا۔ پھر جو ظاہر ہوئے تو کوئی کہنے والا بولا بخ بخ قَبَضَ مُحَمَّدٌ عَلَى الدُّنْيَا كُلِّهَا لَمْ يَبْقَ خَلْقٌ مِنْ اَهْلِهَا اِلَّا دَخَلَ فِيْ قَبْضَتِهٖ یعنی خوب خوب! محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا پر قبضہ فرما لیا دنیا کی کوئی مخلوق ایسی نہ بچی جو حضور کے قبضے میں نہ آ گئی ہو۔

اس روایت کی تردید بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے جو ہم بحوالہ مشکوٰۃ اس فصل کے شروع میں بیان کر چکے۔ نیز آیت اِنَّا فَتَحْنَا بھی اس کی تائید کر رہی ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ ساری خلقت الٰہی میں حضور کی بادشاہی ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن ایمان والوں کے لئے اتنی ہی کافی ہے۔

ان احادیث میں تو حضور علیہ السلام کی سلطنت دنیا کی چیزوں پر ہوئی اب وہ احادیث سُنیئے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم احکام کے مالک ہیں جس کے لئے جو چاہیں حلال فرمائیں حرام اور جس کے لئے جو چاہیں قرآنی احکام کو بدل دیں (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۲۴) مشکوٰۃ شریف کتاب الحج کے شروع میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا کہ اے لوگو تم پر حج کرنا فرض ہے لہٰذا حج کیا کرو کسی نے دریافت کیا۔ رسول اللہ کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے؟ فرمایا کہ اگر ہم ابھی "ہاں" فرما دیتے تو ہر

سال ہی فرض ہو جاتا اور ہر شخص کو سال کے سال حج کرنا پڑتا۔ معلوم ہوا کہ ان کی ہاں میں کچھ تاثیر ہے تمام تو قانون کے پابند ہیں مگر قانون الٰہی حضور علیہ السلام کے لب پاک کی جنبش کا منتظر کہ جوان کے منہ سے نکلے وہ رب کا قانون بن جائے۔

(۲۵) مشکوٰۃ شریف باب قیام شہر رمضان میں ہے کہ حضور نے تراویح باجماعت چند روز پڑھ کر چھوڑ دیں اور چھوڑنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اگر ہم اس کو ہمیشہ پڑھیں تو اندیشہ ہے کہ تم پر یہ فرض ہو جائیں اور تم کو دشواری ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السّلام کا عمل بھی قانون خدا بن جاتا ہے۔

(۲۶) مشکوٰۃ باب مناقب میں ہے کہ حضور سے ایک لونڈی نے عرض کیا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ جب خدا تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت اس جنگ سے واپس لے آئے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں اور گاؤں۔ فرمایا اچھا بجالو۔ چنانچہ انہوں نے دف بجائی۔ دیکھو گانا بجانا اوروں کے لئے بُرا ہے لیکن حضور نے ایک خاص وقت میں اس لونڈی کو اجازت دے دی۔

(۲۷) مسند امام احمد بن حنبل میں صحیح حدیث علی شرط مسلم میں ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ عَنْ قَتَادَۃَ عَنْ نَصْرِ ابْنِ عَاصِمٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْهُمْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمَ عَلٰی اَنَّہٗ لَا یُصَلِّیْ اِلَّا صَلٰوتَیْنِ فَقَبِلَ ذٰلِکَ مِنْہُ یعنی ایک صاحب حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اس شرط پر ایمان لائے کہ میں صرف دو ہی نمازیں پڑھا کروں گا۔

دیکھو مسلمانوں پر پانچ نمازیں فرض ہیں مگر ان صاحب سے حضور نے تین نمازیں معاف فرما دیں (ماخوذ از الامن والعلیٰ) معلوم ہوا کہ حضور مالک احکام ہیں

(۲۸) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب مناقب اہل بیت میں ہے کہ حضرت علی نے ارادہ کیا کہ دوسرا نکاح کریں۔ حضور نے فرمایا کہ علی کو اس کی اجازت نہیں ہاں اگر وہ یہ چاہتے ہیں تو فاطمہ کو طلاق دے دیں پھر نکاح کریں۔ غور کریں کہ قرآن کریم

فرماتا ہے: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ جس سے معلوم ہوتا ہے مرد کو چار بیویاں تک نکاح میں رکھنا جائز ہیں مگر حضرت علی کے لئے حضرت فاطمہ زہرا کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرنے کا اختیار نہ رہا۔

اس جگہ مرقاۃ میں ہے۔ عَلَیْہِ السَّلَامُ بِكُلِّ حَالٍ وَعَلٰی كُلِّ وَجْہٍ وَاِنْ تَوَلَّدَ الْاِیْذَاءُ مِمَّا كَانَ اَصْلُہٗ مُبَاحًا وَھُوَ مِنْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی اس سے معلوم ہوا کہ ایذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرام ہے اگرچہ کسی حلال فعل ہی سے پہنچے اور حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔ یہاں مرقاۃ میں ہے کہ حضرت علی کو دوسرا نکاح حرام تھا۔

(۲۹) بخاری جلد اوّل کتاب الصلح کے شروع میں ہے کہ ایک بار حضور کسی جگہ مسلمانوں میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے۔ نماز کا وقت آگیا حضرت بلال نے اذان کہہ کر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ آپ نماز پڑھائیں چنانچہ نماز کی جماعت قائم ہو گئی۔ عین نماز کی حالت میں حضور تشریف لے آئے مسلمان مقتدیوں نے تالی بجا کر حضرت صدیق اکبر کو حضور کی تشریف آوری کی خبر دی اسی وقت سے صدیق اکبر مقتدی ہو کر پیچھے آ گئے اور حضور علیہ السّلام امام ہوئے۔

آج اگر نماز میں کوئی بھی آ جائے اس کو وہاں ہی کھڑا ہونا ہو گا کہ جہاں جگہ مل جائے مگر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو دیکھو کہ بیچ نماز میں تشریف لے آئیں تو اسی وقت سے موجودہ امام کی امامت منسوخ اور اب حضور ہی امام ہیں۔ معلوم ہوا کہ مالک احکام ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۳۰) بخاری جلد اوّل کتاب الجہاد باب فرض الخمس میں ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ نہ ہم کسی کے وارث ہوں اور نہ ہمارا کوئی وارث حالانکہ میراث کی تقسیم قرآن سے ثابت ہے مگر اس میراث سے حضور نے اپنے کو مستثنیٰ فرما لیا اور پھر اس پر عمل ہوا کہ حضور کی میراث کسی کو نہ ملی معلوم ہوا حضور مالک

احکام ہیں۔

(۳۱) بخاری شریف جلد دوئم کتاب التفسیر سورۂ احزاب باب قَوْلِهٖ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰی نَحْبَهٗ میں ہے کہ حضور نے حضرت خزیمہ انصاری کی گواہی دو گواہیوں کی برابر قرار دی۔ واقعہ تھا کہ حضور نے ایک شخص سواء بن حارث سے گھوڑا خرید فرمایا۔ مگر بعد میں اس اعرابی نے اس بیع سے انکار کر دیا اور کہا میں نے یہ گھوڑا آپ کے ہاتھ فروخت نہیں کیا ہے اور عرض کیا کہ اگر آپ نے خریدا ہے تو کوئی گواہ لائیں (اللہ کی شان یہ خرید و فروخت تنہائی میں ہوئی تھی)۔ حضرت خزیمہ نے عرض کیا۔ کہ یارسول اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور نے یہ گھوڑا خریدا ہے آپ سچے ہیں اور اعرابی جھوٹا۔ حضور نے پوچھا تم کیونکر گواہی دے رہے ہو۔ تم نے تو اس تجارت کو دیکھا نہ تھا۔ عرض کیا یارسول اللہ میں نے تو حضور کی زبان سے سُن کر اللہ کی وحدانیت اور جنت اور دوزخ اور قیامت وغیرہ تمام کی گواہی دی۔ اور پڑھا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو کیا ایک گھوڑا ان چیزوں سے بھی زیادہ ہے۔ مَیں حضور کی زبان سے سُن کر گواہی دیتا ہوں۔ ان کا یہ کلام بارگاہِ نبوت میں ایسا قبول ہوا کہ ان کی گواہی دو گواہیوں کی طرح بنادی گئی۔

غور کرو کہ قرآن کا حکم ہے کہ وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ کہ تم دو گواہ بناؤ۔ مگر ان کے لئے اکیلے کو دو گواہوں کی طرح مان لیا گیا۔ معلوم ہوا کہ حضور کو یہ بھی اختیار ہے کہ جس کسی کو چاہیں قرآن کے احکام سے علیحدہ کر دیں۔

(۳۲) بخاری میں اسی جگہ تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ کی تفسیر میں ہے کہ حضرت عائشہ نے حضور سے عرض کیا مَآ اَرٰی رَبَّكَ اِلَّا یُسَارِعُ فِیْ هَوَاكَ میں تو یہ دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش کرنے میں جلدی کرتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ اپنے محبوب کی خواہشات کو دینی قوانین دیتا ہے۔

(۳۳) حضور علیہ السلام نے ام عطیہ کو ایک بار نوحہ کرنے کی اجازت دی حالانکہ نوحہ یعنی مُردے کو پیٹنا شرعاً حرام ہے۔ (مسلم شریف)

(۳۴) حضرت علی کو اجازت دی کہ حضرت فاطمہ زہرا کو ان کی وفات کے بعد غسل دیں۔ حالانکہ شوہر اپنی مردہ بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔ کیونکہ عورت کی وفات سے نکاح بالکل ٹوٹ جاتا ہے (شامی)

(۳۵) حضرت صدیق اکبر کو اجازت دی کہ جنابت کی حالت میں مسجد میں آجایا کریں حالانکہ جنبی کو بغیر غسل کئے مسجد میں آنا منع ہے۔

(۳۶) ایک صاحب کے کفارے کا صدقہ خود ان ہی کو کھلا دیا۔

(۳۷) مسلم و بخاری میں ہے کہ ایک بار حضور نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں نہ کانٹے توڑے جائیں نہ یہاں کے شکار کو بھڑکایا جائے۔ حضرت عباس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اذخر کی اجازت دے دی جائے کہ یہ گھاس گھر کی چھتوں میں ڈالی جاتی ہے اور لوہاروں کی بھٹی میں بجائے کوئلہ کے جلاتی ہے۔ اور فرمایا اچھا اذخر کی اجازت ہے کہ اذخر گھاس مکہ مکرمہ کی زمین سے کاٹ لی جایا کرے معلوم ہوا کہ زبان پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنبش رب کا قانون ہے۔

(۳۸) حضور نے ہجرت فرماتے ہوئے حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہارے ہاتھ میں بادشاہ فارس کسریٰ کے سونے کے کنگن دیکھتا ہوں اس فرمان کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمانۂ فاروقی میں ملک فارس فتح ہوا اور کسریٰ کے طلائی کنگن حضرت سراقہ کو پہنائے گئے۔ اور وہ کنگن آپ کے ہاتھ میں رہے دیکھو مرد کو سونا پہننا حرام ہے۔ مگر سراقہ کے لئے وہ کنگن جائز فرمائے۔

(۳۹) بخاری و مسلم میں قصّہ توبہ کعب میں ہے کہ جب حضرت کعب ابن مالک پر سرکاری عتاب ہوا تو ان کی بیویوں کو حکم دیا گیا کہ تمہارے شوہر تمہارے پاس نہ آنے پائیں کوئی مسلمان ان سے کلام و سلام نہ کرے۔ چنانچہ اس بائیکاٹ کے زمانے میں حضرت کعب کی بیوی منکوحہ حضور کے حکم سے اپنے شوہر پر کچھ عرصہ کے لیے حرام ہو گئیں۔ حالانکہ رب فرماتا ہے نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ مگر اس حکم سے حضرت کعب اس وقت خارج کر دیئے گئے۔ قسم رب کی اگر یہ عتاب اور ممانعت ہمیشہ

(۱) اشعۃ اللمعات باب السجود میں حضرت ربیعہ ابن کعب کی حدیث کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "معلوم می شود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست ہر چہ خواہد ہر کرا بخواہد باذنِ پروردگار خود بدہد ؎

اگر خیریتِ دنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیا وہر چہ میخواہی تمنا کن

یعنی سارے کام حضور کے ہاتھ میں ہیں جس کو بھی چاہیں اپنے رب کے حکم سے دیدیں اگر دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتے ہو تو حضور کی بارگاہ میں آؤ اور جو چاہو مانگ لو۔

(۲) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری اسی باب میں اسی حدیث کی شرح میں یہی مضمون لکھ کر فرماتے ہیں نُعْطِیْ لِمَنْ یَّشَاءُ حضور جس کو چاہیں وہ دیدیں۔

ان عبارتوں نے فیصلہ کردیا کہ دنیا و آخرت کی ہر چیز کے مالک حضور ہیں۔ سب کچھ ان سے مانگو عزت مانگو، ایمان مانگو، جنت مانگو، اللہ کی رحمت مانگو۔

(۳) تفسیر کبیر جلد سوم پارہ سات سورہ انعام میں زیرِ آیت وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ امام فخر الدین رازی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ انبیائے کرام کو خدا نے اس قدر علم معرفت دیا ہے کہ وہ حضرات مخلوق کی اندرونی حالت اور ان کی جانوں پر حکومت کرتے ہیں اور ان کو اتنی قدرت دی ہے کہ ظاہر پر بادشاہت کرتے ہیں۔ اس عبارت میں خلق فرمایا یعنی عرش و فرش جو بھی اللہ کی مخلوق ہے وہ رسول اللہ کی حکومت میں ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۴) امام ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ الجواہر المنظم کے صفحہ ۵۲ پر فرماتے ہیں۔
هُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْاَعْظَمُ الَّذِيْ جَعَلَ خَزَائِنَ كَرَامَتِهٖ وَمَوَائِدَ نِعَمِهٖ طَوْعَ يَدَيْهِ وَاِرَادَتِهٖ يُعْطِيْ مَنْ يَّشَاءُ كَمَا يَشَاءُ
حضور اللہ کے بڑے خلیفے ہیں کہ رب کے خزانے اور اس کی نعمتیں حضور کے ہاتھوں اور حضور کے ارادے میں ہیں جس کو چاہیں دے دیں اس سے معلوم ہوا کہ تمام

خزائنِ خداوندی حضور کے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۵) شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات جلد اوّل صفحہ ۴۶۳ میں فرماتے ہیں۔ کہ قدرت و سلطنت وے صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ بر آں بود، ملک و ملکوت جن و انس تمامۂ عوالم بہ تقدیر بر تصرفِ الٰہی عزوجل در محیطۂ قدرت و تصرف وے بود یعنی حضور کی سلطنت اس سے بھی زیادہ ہے۔ ملک اور ملکوت جن و انس اور سارے عالم رب کی عطا سے حضور کے قبضہ و قدرت میں ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ سارے عالم ملکوت، عالمِ ارواح، عالمِ اجسام اور عالمِ امکان غرضکہ ساری مخلوق میں حضور کی بادشاہی ہے ؎

خالقِ کل نے آپ کو مالکِ کل بنا دیا!
دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضۂ اختیار میں

(۶) علامہ یوسف ابن اسمٰعیل شواہد الحق کے صفحہ ۱۵۲ پر فرماتے ہیں: اَمَّا كَوْنُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِيْ وَيَمْنَعُ وَيَقْضِيْ حَوَائِجَ السَّائِلِيْنَ وَيُفَرِّجُ كُرُبَاتِ الْمَكْرُوْبِيْنَ وَاَنَّهٗ يَشْفَعُ وَيُدْخِلُ الْجَنَّةَ مَنْ يَّشَاءُ یعنی حضور دیتے اور منع کرتے ہیں اور سائلوں کی حاجت روائی کرتے ہیں مصیبت زدوں کی مصیبت دور کرتے ہیں اور حضور شفاعت فرمائیں گے۔ اور جس کو چاہیں گے جنت میں داخل کریں گے۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام حاجت روا ہیں، بے کسوں، مصیبت زدوں کے رنج و غم دور فرماتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۷) امام احمد بن محمد خطیب قسطلانی مواہب لدنیہ جلد اوّل صفحہ ۴۶ پر فرماتے ہیں۔

اَلَا بِاَبِیْ مَنْ كَانَ مَلِكًا وَّسَيِّدًا — وَاٰدَمُ بَيْنَ الطِّيْنِ وَالْمَاءِ وَاقِفٌ
اِذَا اَرَادَ اَمْرًا لَا يَكُوْنُ خِلَافَهٗ — وَلَيْسَ لِذٰلِكَ

میرے ماں باپ اس شہنشاہ پر قربان جو اس وقت سے بادشاہ ہیں جب کہ آدم علیہ السلام مٹی اور پانی میں جلوہ گر تھے جب حضور کچھ چاہ لیں تو اس کے خلاف نہیں ہو

سکتا اور نہ کوئی ان کو روک سکتا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ حضور پہلے ہی سے سلطان کونین ہیں اور آپ کی زبان کُن کی کنجی ہے ؎

فقط اشارے میں سب کو نجات ہو کے رہی — تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی
جو شب کو کہہ دیا دن ہے تو دن نکل آیا — جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو رات ہو کے رہی

(۸) امام قسطلانی مواہب لدنیہ جلد اوّل صفحہ ۱۹۵ پر فرماتے ہیں۔ وَکُنِیَّتُہٗ اَبُو الْقَاسِمِ لِاَنَّہٗ یُقَسِّمُ الْجَنَّۃَ بَیْنَ اَھْلِھَا حضور کی کنیت ابو القاسم ہے کیونکہ جنتی لوگوں کو جنت بانٹتے ہیں۔

(۹) تقی الدین سُبکی شفاء السقام میں صفحہ ۱۶۵ پر فرماتے ہیں اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَکُوْنُ فِی الْجَنَّۃِ مِثْلُ الْعَزِیْزِ مِنَ الْمُلْکِ بِغَیْرِ تَمْثِیْلٍ لَا تَصِلُ اِلٰی اَحَدٍ شَیْئٌ اِلَّا بِوَاسِطَتِہٖ یعنی بغیر تشبیہ یوں سمجھو کہ حضور ایسے ہوں گے جیسے بادشاہ کا وزیر کہ کسی تک کوئی چیز بغیر آپ کے ذریعے کے نہ پہنچے گی اس سے معلوم ہوا کہ حضور کی سلطنت دنیا میں تو کیا جنت میں بھی ہوگی کہ جنت کی ہر نعمت حضور کے بغیر کسی کو بھی نہ مل سکے گی

(۱۰) امام قسطلانی مواہب لدنیہ جلد اوّل صفحہ ۶ پر فرماتے ہیں ھُوَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَزَانَۃُ السِّرِّ وَمَوْضِعُ نُفُوْذِ الْاَمْرِ فَلَا یَنْفُذُ الْاَمْرُ اِلَّا مِنْہُ اس سے بھی معلوم ہوا کہ دنیا میں احکامِ الٰہیہ حضور کے یہاں جاری ہوتے ہیں۔

(۱۱) شیخ عبد الحق اشعۃ اللمعات جلد اوّل صفحہ ۶۵۶ پر فرماتے ہیں۔
"آنحضرت متولی امورِ مملکتِ الٰہیہ و گماشتہ درگاہ الٰہی بود کہ تمام امور و احکام کون و مکان بوے مفوض بود کدام دائرہ مملکت واسع تر از دائرہ مملکت و سلطنت وے بود۔ صلی اللہ علیہ وسلم"۔

یعنی حضور سلطنت الٰہیہ کے منتظم اور مقرر کردہ حاکم ہیں۔ دنیا کے سارے کون و مکان کے احکام حضور کے سپرد ہیں۔ ان سے بڑھ کر کونسی سلطنت ہے معلوم ہوا کہ حضور صلی علیہ السلام کی بادشاہی تمام بادشاہوں سے بڑی ہے

حضرت سلیمان و سکندر۔ ذو القرنین کی سلطنتوں سے بڑھ کر حضور کی سلطنت ہے۔

(۱۲) امام بوصیری قدس سرہٗ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں ؎

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْیَا وَضَرَّتَھَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت آپ کی سخاوت سے ہیں اور لوح اور قلم کے علم آپکے علموں کا ایک حصہ ہیں۔ (۱۳) امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں ؎

اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ وَلَمْ یَكُنْ — لِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ فِی الْاَنَامِ سِوَاكَ

یارسول اللہ میں آپ کی دین یعنی عطا کا اُمیدوار ہوں اور خلقت میں ابو حنیفہ کا آپ کے سوا کوئی نہیں۔

اس شعر میں امام اعظم قدس سرہٗ نے حضور سے مانگا۔ اور اپنی بے کسی کا اظہار کیا اور مانگا اس سے جاتا ہے جو مالک ہو۔ معلوم ہوا کہ امام صاحب حضور کو مالک کل جانتے ہیں۔

(۱۴) دلائل الخیرات کے تمام درود مستند ہیں تمام اُمت میں مقبول علماء و اولیاء اس کے ہمیشہ سے عامل رہے۔ اس میں پنجشنبہ کے حزب میں درود ہے :
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ مَاءِ الرَّحْمَتِہٖ وَمِیْمَیِ الْمُلْکِ وَدَالَ الدَّوَامِ لِسَیِّدِ الْکَامِلُ الخ یعنی اے اللہ حضور علیہ السلام پر درود بھیج جن کا نام محمد ہے۔ جس سے دال دوام یعنی ہمیشگی کی دال ہے۔ اور ح رحمت کی اور میم ملکیت کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ محمد کے حرفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور دونوں جہاں کے ہمیشہ سے مالک ہیں اور رحمت والے مالک ہیں کیونکہ اس میں ایک ح ہے اور ایک دال دو میم ہیں۔ دو میموں سے مراد دونوں ملکوں کی بادشاہت اور دال سے مراد دوام یعنی ہمیشہ کی بادشاہت اور ح سے مراد رحمت یعنی رحمت والی بادشاہت ہے

(۱۵) مثنوی شریف میں ہے :

صورتش بر خاک جاں در لامکاں — لامکاں برتر ز وہمِ سالکاں

بل مکان ولامکاں درحکمِ او ۔۔۔ ہم چو در حکم بہشتی چار سو
ہر دمے او در یکے معراج خاص ۔۔۔ بر سرِ فرقش نہد حق تاج خاص

یعنی حضور علیہ السلام کا جسم پاک تو زمین پر رہا اور جانِ پاک لامکان میں جو کہ اولیاء اللہ کے وہم و گمان سے دُور ہے بلکہ مکان ولامکان ان کے حکم میں ایسے ہیں جیسے جنتی آدمی کے حق میں چاروں نہریں ہوں گی۔ وہ ہر وقت معراج خاص میں رہتے ہیں اور حق تعالیٰ ان کے سر پہ خاص تاج رکھتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مکان ولامکاں حضور کے حکم میں ہیں کیونکہ حضور سلطانِ کونین ہیں اور حضور کو ہر وقت معراج اور عالم بالا کی سیر ہوتی رہتی ہے کہ کبھی خواب میں اور کبھی نماز میں اور کبھی ویسے ہی جنت و دوزخ وغیرہ کو ملاحظہ فرماتے ہیں جس کے حوالے دوسری فصل میں گزر گئے۔ اس قسم کی صدہا عبارتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اسی پر قناعت کرتا ہوں۔ بزرگانِ دین بلکہ صحابہ کرام رب کی عبادت میں حضور کو بھی راضی کرنے کی نیت کرتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت میں حضور کو راضی کرنا ریا شرک نہیں بلکہ عبادت کی رُوح ہے۔ آپ دُوسری فصل میں پڑھ چکے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر نے عین نماز کی حالت میں حضور علیہ السلام کو امام بنا دیا۔ دیکھو عبادت تو رب کی ہے۔ مگر اس میں تعظیم مصطفٰے علیہ السلام کی جاری ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

تفسیر خازن وروح البیان پارہ ۲۲ میں زیر آیت وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ط ایک حدیث نقل کی کہ ایک دن حضور نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ آج رات ہم نے تمہاری تلاوت قرآن مجید سنی تم کو رب نے داؤدی آواز عطا کی ہے تو حضرت موسیٰ اشعری نے عرض کیا کہ واللہ مجھے خبر ہوتی کہ میرا قرآن صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں تو اور بھی خوش حالی سے پڑھتا دیکھو تلاوتِ قرآن عبادت الٰہی ہے مگر ایک صحابی رسول اللہ اس حالت میں بھی حضور کو خوش کرنے کی خواہش کرتے ہیں۔

اسی طرح تفسیر رُوح البیان پارہ ۱۱ سورہ یونس میں زیر آیت اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ہے کہ حضرت رابعہ عدویہ روزانہ ایک ہزار نفل پڑھا کرتی تھیں اور کہتی تھیں میں ان کا ثواب نہیں چاہتی صرف یہ خواہش ہے کہ مجھ سے حضور خوش ہو جائیں اور قیامت جماعت انبیاء سے فرمائیں کہ دیکھو یہ میری اُمت کی ایک عورت کے عمل ہیں۔

سبحان اللہ عشق والوں کے انداز نرالے ہیں حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِہٖ مُهَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ یُدْرِکْہُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ اور جو اپنے گھر سے اللہ و رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلا۔ پھر اس کو موت آگئی تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہو گیا ہجرت کرنا رب کی راہ میں وطن کو چھوڑنا عبادت ہے مگر ہجرت میں خدا اور رسول دونوں کو راضی کرنے کی نیت کرنا ضروری ہے قرآن کریم فرماتا ہے وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ اور اللہ و رسول اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ ان کو راضی کریں۔

معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل میں یہ نیت کرنا کہ اس عمل سے اللہ و رسول راضی ہوں عمل کو زیادہ قابل قبول کر دیتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ نیک اعمال میں رب تعالیٰ اور اس کے محبوب علیہ السلام کو راضی کرنے کی نیت نہ شرک ہے نہ حرام اسی لئے نماز میں حضور کو سلام کرنا واجب ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کلمہ اور اذان میں ہر جگہ حضور علیہ السلام کا نام پاک داخل ہے۔

چوتھی فصل حضور علیہ السّلام کی سلطنت پر مخالفین کے اقوال

اب میں دیوبندیوں اور وہابیوں کے پیشواؤں سے پوچھتا ہوں کہ بولو اس بارے میں کیا کہتے ہو رب کی شان کہ مخالفین کے بڑے بھی اس کے متعلق یہی کہہ گئے ہیں ملاحظہ ہو

(۱) ترجمہ صراط مستقیم اردو خاتمہ تیسرا افادہ صفحہ ۱۰۳ پر بانی مذہب وہابیہ دیوبندیہ مولوی اسمٰعیل دہلوی فرماتے ہیں۔ اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مناسب رتبہ کے صاحبان

عالمِ مثال اور عالمِ شہادت میں تصرف کرنے کے ماذون مطلق اور مجاز ہوتے ہیں "۔ بس فیصلہ ہی کر دیا کہ اللہ کے بندوں کو دونوں جہان میں ہر طرح حکومت کرنے کا رب تعالےٰ کی طرف سے اختیارِ عام حاصل ہوتا ہے۔

(۲) یہ ہی مولوی اسمٰعیل صاحب اسی جگہ فرماتے ہیں مثلاً ان کو جائز ہے کہ کہیں عرش سے فرش تک ہماری سلطنت ہے "۔ لہذا مولوی اسمٰعیل صاحب کے فتوے سے میں کہہ سکتا ہوں کہ عرش سے فرش تک میرے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت ہے یہی میں کہتا ہوں۔

(۳) مولوی قاسم صاحب بانیِ مدرسہ دیوبند فرماتے ہیں ؎

مدد کر اے کرمِ احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

مدد اسی سے مانگی جاتی ہے جس کے قبضہ میں کچھ ہو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک حضور مالک و مختار ہیں۔

(۴) دیوبندیوں کے شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب ادلہ کاملہ صفحہ ۱۲ پر فرماتے ہیں آپ اصل میں مالک عالم ہیں جمادات ہوں یا حیوانات، بنی آدم ہوں یا غیر بنی آدم۔ الغصہ آپ ہی اصل مالک ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عدل و مہر آپ کے ذمہ واجب تھا "۔

الحمد للہ کہ مولوی صاحب نے حضور کو مالک مانا اور عالم اللہ کے سوا کو کہتے ہیں لہذا ثابت ہوا کہ عرش و فرش، لوح و قلم سب میرے شہنشاہ کی ملکیت ہے۔

(۵) صراطِ مستقیم دوسری آیت کے پہلے افادہ میں مولوی اسمٰعیل صاحب صفحہ ۶۰ پر فرماتے ہیں "۔ اور حضرت مرتضیٰ کے لئے شیخین پر ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ فضیلت آپ کے فرماں بر داروں کا زیادہ ہونا، مقاماتِ ولایت بلکہ قطبیت و غوثیت اور ابدالیت اور ان ہی باقی خدمات آپ کے زمانے سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی وساطت سے ہوتا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو دخل ہے۔ جو عالمِ ملکوت کے سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری اور باطنی دنیا پر حضرت علی کا قبضہ ہے اور قیامت تک

رہے گا۔ یعنی بعد وفات بھی دنیا کے مالک ہیں اور لوگوں کو سلطنت و غوثیت حضرت علی کے دربار سے ملتی ہے۔ سبحان اللہ یہاں تو یہ فرما گئے اور یہ ہی مولوی اسمٰعیل صاحب تقویت الایمان میں لکھتے ہیں کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک مختار نہیں شاید یہ باتیں شدھی ہونے سے پہلے لکھی ہوں گی اور تقویت الایمان بعد میں۔

(۷) دیوبندی علماء کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں ؎

جہازِ اُمت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں
تم اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسُول اللہ

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی رنج و راحت حضور علیہ السلام کے قبضے میں ہے اور آپ نفع و نقصان کے مالک ہیں۔ بطور نمونہ چند اقوال نقل کر دیئے اس سے بھی زیادہ پیش کیئے جا سکتے ہیں۔

پانچویں فصل سلطنتِ مُصطفےٰ پر عقلی دلائل

(۱) دنیاوی کاروبار آخرت کا نمونہ ہیں۔ اس کی تحقیق جاء الحق میں دیکھو اور دنیاوی بادشاہ تو اپنے مقرر کیے ہوئے حکام کو اپنی بادشاہت کا مختار کر دیتے ہیں اور ان کو عام اختیارات دیا کرتے ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ حکام کہا کرتے ہیں کہ ہم یہ کر سکتے ہیں پھر جس درجہ کا حاکم ہو اسی درجہ کے اس کے اختیارات ہوتے ہیں۔ تھانیدار کو معمولی اختیارات، کپتان پولیس کو اس سے زیادہ۔ ڈپٹی کمشنر کو اس سے زیادہ پھر گورنر کو اور زیادہ پھر وائسرائے کو سارے ملک کے اختیارات پھر وزیر اعظم کو ساری سلطنت کے تمام سیاہ و سفید کے اختیارات۔ مگر ان اختیارات سے نہ تو بادشاہ کے سلطنت میں کمی آئی اور نہ کوئی چیز اس کی سلطنت سے نکل گئی۔ بلکہ بادشاہ ان تمام چیزوں کا اصلی مالک رہے گا اور دیگر لوگ اس کی طرف سے عارضی مالک۔

اسی طرح حق تعالےٰ نے اپنی بادشاہت میں ملائکہ اور خاص انسانوں کو دنیا کیلئے لوح محفوظ قائم کی۔ جس میں عالم کے سارے واقعات لکھے کہ وہ حضرات اس کو دیکھیں

اور اس کے مطابق عمل کریں انہی اختیارات کی وجہ سے وہ حضرات کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں کر سکتا ہوں۔

قرآن پاک نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کو نقل فرمایا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں اندھوں کوانکھیارہ مردوں کو زندہ اور کوڑھیوں کو اچھا کر سکتا ہوں اور حضرت جبریٔیل علیہ السلام نے حضرت مریم سے فرمایا کہ میں تم کو پاک بیٹا دینے آیا ہوں۔ قرآن نے فرمایا کہ ہمارے محبوب علیہ السلام مسلمانوں کو پاک فرماتے۔ ان کو کتاب وحکمت سکھاتے ہیں وہ غریبوں کو غنی کرتے ہیں۔ دیکھو اس کتاب کا مقدمہ اور جاء الحق۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں ؎

بِلَادُ اللّٰہِ مُلْکِی تَحْتَ حُکْمِی
وَ وَقْتِی قَبْلَ قَلْبِی قَدْ صَفَانِی

(اللہ کے سارے شہر میرا ملک اور میری حکومت میں ہیں) پھر فرماتے ہیں ؎

وَمَا مِنْھَا شُہُوْرًا اَوْ دُھُوْرًا تَمُرُّ وَ تَنْقَضِیْ اِلَّا اَتیٰ لِیْ

(کوئی مہینہ اور کوئی وقت ایسا نہیں جو ہمارے اجازت بغیر دنیا میں گزر جائے) پھر فرماتے ہیں ؎

وَ کُلُّ وَلِیٍّ لَہٗ قَدَم وَ اِنِّیْ عَلیٰ قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْکَمَالِ

(یہ درجہ اور یہ بادشاہت مجھ کو اس کے صدقہ میں ہے کہ ہر ولی کسی نہ کسی نبی کے قدم پر ہوتے ہیں۔ میں حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر ہوں۔ یعنی میرا سر حضور کے قدم پاک پر ہے اس کی برکت سے مجھ کو رب نے عزّت دی)

اب بتاؤ حضور کی سلطنت کا کیا کہنا ہے ان تمام باتوں سے یہ لازم نہیں آتا کہ رب کی سلطنت میں کسی قسم کی کوئی کمی آئے گی نہیں بلکہ وہ حقیقی اور یہ حضرات اس کے مقرر کرنے سے اس کے خادم اور مالک مجازی حضور چونکہ وزیر اعظم ہیں۔ لہٰذا کونین کے مالک و مختار۔

(۲) سب کو معلوم ہے کہ موت کے وقت ملک الموت کو دیکھ کر ایمان لانا قبول

نہیں اور زندگی میں جس وقت بھی ایمان لائے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرے قبول ہے یعنی مرنے والے کے لیے موت کا وقت توبہ کے دروازے بند ہونے کا ہوتا ہے اور موت سے پہلے یہ دروازہ کھلا ہوا ہے۔ لیکن حضور کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ جس کے لیے چاہیں اس کی زندگی ہی میں توبہ کا دروازہ بند کر دیں کہ وہ توبہ کرے اور قبول نہ ہو جس کے لئے چاہیں بعد موت بھی دروازہ کھول دیں اور اس کو زندہ فرما کر مسلمان کر دیں۔

دیکھو اپنے والدین ماجدین کو ان کے انتقال کے بعد زندہ فرما کر اسلام سے مشرف فرما دیا جس کا ثبوت پہلے گزر چکا اور اس کی تحقیق حضرت امام جلال الدین سیوطی اور علّامہ شامی نے خوب فرمائی ہے۔ اور ثعلبہ ابن حاطب نے ایک بار زکوٰۃ دینے سے انکار کیا ناگوار خاطر ہوا۔ پھر ثعلبہ زکوٰۃ لے کر عاجزی کرتا ہوا حاضر ہوا۔ مگر منظور نہ ہوئی۔ پھر حضرت صدیق اکبر کے زمانہ خلافت میں زکوٰۃ لایا مگر وہاں بھی نامنظور ہوئی پھر زمانۂ فاروقی میں پھر خلافت عثمانی میں زکوٰۃ پیش کرتا رہا مگر کسی خلیفہ نے قبول نہ فرمائی یہی جواب دے دیا گیا۔ کہ جس کی زکوٰۃ حضور علیہ السلام نے رد کر دی ہو۔ ہم میں جرأت نہیں کہ اس کو قبول کر لیں۔ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی وَمِنْھُمْ مَنْ عٰھَدَ اللّٰہَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِہٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَکُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۝ دیکھو تفسیر کبیر اور روح البیان اسی آیت کی تفسیر۔

غور کرو ابھی ثعلبہ زندہ تھا۔ ظاہر میں اس کے لیے توبہ کا دروازہ بند نہ ہوا تھا چاہیئے تھا کہ اس کی توبہ قبول ہو جاتی۔ مگر چونکہ مصطفٰے کے ہاتھوں نے اس کا دروازہ بند کر دیا تو بند ہی رہا۔ یہ ہے اختیار مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم۔ حلیم کے غضب سے خدا کی پناہ۔

(۳) دستور یہ ہے کہ اپنی چیز کا اپنا پیارا مالک ہوتا ہے کیونکہ محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا اور حضور تو رب کے ایسے پیارے ہیں کہ جو ان کی غلامی کر لے۔ وہ بھی اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے۔ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ لہٰذا رب کی ہر چیز محبوب کی

ہے۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔

(۴) حضور علیہ السلام پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ دیکھو شامی کتاب زکوٰۃ۔ کیوں فرض نہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ تمام عالم کے مسلمان مرد اور عورتیں حضور کے لونڈی غلام ہیں اور اپنے غلام اور لونڈی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے لہٰذا حضور کسی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ کیونکہ لینے والا کوئی نہیں۔ مصرف نہ ملنے کی وجہ سے آپ پر زکوٰۃ فرض ہی نہ کی گئی۔

(۵) انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں۔ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط اور خلیفہ وہ ہوتا ہے جو دراصل مالک کا نائب ہو کر اس کے ملک میں حکومت کرے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں کہ جب رب تعالیٰ بلا واسطہ احکام نہیں بھیجتا۔ تب اس کی نیابت میں خلق پہ حکومت فرماتے ہیں۔ اسی لیے علماء کو نائب الٰہی کہا جاتا ہے اور نائب اپنی نیابت کے وقت مالک ہوتا ہے۔

(۶) ساقِ عرش پر اور جنت میں طوبیٰ کے پتوں پر حوروں کی پیشانیوں اور غلمانوں کے سینوں پر لکھا ہوا ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اور قاعدہ ہے کہ چیز پر بنانے والے اور مالک کا نام لکھا جاتا ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ جنت اور عرش کا بنانے والا اللہ اور مالک محمد رسول اللہ ہیں جس کی چیز اسی کا نام بلکہ دنیا کی چیزوں پر قدرت نے حضور کا نام لکھا ہے میرے پاس ایک پتھر ہے۔ بابو اللہ دتہ صاحب سیکرٹری انجمن نے کشمیر کے علاقے کے ایک دریا سے پایا اس پر صاف لکھا ہے مُحَمَّدٌ اور اوپر سے پتھر کو سبز کیا گیا ہے۔ اس پہ قدرت نے فیروزی رنگ سے "مُحَمَّدٌ" لکھا ہے۔

دہلی میں رائے سینا بن رہا تھا تو ایک سنگ مرمر کو آرہ مشین سے چیرا گیا اس کے بیچ میں لکھا ملا "مُحَمَّدٌ" اس کا فوٹو بھی میرے پاس ہے جس کا جی چاہے اس پتھر کی اور اس فوٹو کی زیارت کرے لوگ اس پتھر کی میرے پاس آ کر زیارت کرتے ہیں۔ کہئے جناب! اگر حضور مالک نہیں تو چیزوں پر حضور کا نام قدرت نے کیوں لکھا؟

بلکہ کچھ سال بیشتر جبل پور کے کلکٹر نے بھی اس کی تصدیق کی ہے اور وہاں عام باشندوں نے دیکھا تھا۔ گجرات میں بھی اس کے دیکھنے والے ماسٹر محمد عارف صاحب اب تک موجود ہیں۔ اور اس کو خواجہ حسن نظامی "منادی" اخبار اور علیحدہ ٹریکٹ میں بھی شائع کیا تھا کہ ایک مرتبہ رات کے وقت اچانک تیز روشنی ہوئی لوگوں نے اوپر کو دیکھا تو آسمان پر خط نوری سے لکھا تھا "مُحَمَّدٌ" اور ان حرفوں سے نور کل نظر آتا تھا۔ تقریباً ایک منٹ تک باقی رہا۔ ۱۵۶۲ء کو میں منٹگمری میں بکری کے بچہ کے پیٹھ پر لفظ محمد لکھا تھا۔ سبحان اللہ آنکھیں ہوں تو اب بھی ان کی سلطنت دیکھ لو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

(۷) معراج میں حضور علیہ السلام کو کونین کی سیر کرائی۔ لامکاں کا مکیں بنایا۔ کیوں اس لیے کہ کبھی بادشاہ اپنے ملک کی سیر فرمانے کے لیے دورہ فرماتے ہیں۔ آج اس سچے شہنشاہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلطنت کا دورہ فرمایا۔

(۸) آج دنیاوی بادشاہوں کو لوگ بُرا بھلا کہہ لیتے ہیں۔ اخباروں میں ان پر اعتراضات چھپ جاتے ہیں مگر کسی دل میں یہ ہمت نہیں کسی زبان میں یہ طاقت نہیں کہ میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف زبان چلا سکے اور جو کوئی گستاخی کرتا ہے وہ سزا پاتا ہے۔ اس کی مثالیں بہت سی موجود ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان شہنشاہ کی حکومت دل و جان پر ہے۔ اور قیامت تک رہے گی۔ رب تعالیٰ ہم کو وفادار رعایا بنائے اور بغاوت سے بچائے۔ آمین یا رب العلمین۔

(۹) دنیاوی بادشاہ اپنے نوکروں کو تنخواہیں دیا کرتے ہیں۔ اور آج تک حضور علیہ السلام کے در سے لاکھوں آدمی تنخواہ پا رہے ہیں میں پوچھتا ہوں کہ مولوی پیر و مشائخ جو دنیا میں عیش کی زندگی بسر کر رہے ہیں یہ کیا کرتے ہیں کیا انہیں کوئی لکڑی کا، لوہے کا، کپڑے کا ہنر آتا ہے۔ کوئی مزدوری کرتے ہیں۔ یہ حکیم یا ڈاکٹر ہیں۔ آخر یہ کیا کرتے ہیں اور کس چیز کی اجرت پاتے ہیں کہ ان کی عزت بھی ہے ان کو عیش بھی حاصل ہے۔ مسلمان ان کی خدمتیں کرتے ہیں۔ اجمیر شریف۔ پیران کلیر

بغداد میں یہ رونقیں کیوں لگی ہیں۔ بس صرف اس لیے کہ یہ تمام حضرات اس مدینے والے شہنشاہ کے خدام اور نوکر ہیں۔ یہ ہی سمجھ کر مسلمان ان کی خدمتیں کرتے ہیں مسلمانوں کے حبیب اس شاہنشاہ کے خزانوں کے دروازے ہیں۔ ان کا نام لیتے ہیں۔ کھاتے ہیں عیش اڑاتے ہیں۔ اللہ اس دربار کو آباد رکھے کہ ہم بھکاریوں کا اس دروازے کے سوا اور کہیں ٹھکانا نہیں ؎

مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے
غریبوں فقیروں کو ٹھیرانے والے

اے وہابیو! اور اے دیوبندی مولویو! خدا کے لئے نمک حلال بنو جس کے نام پر کھاتے کماتے ہو اس میں عیب نہ ڈھونڈو، بلکہ اس کے نام کے گیت گاؤ۔ اللہ تم کو ہدایت دے اور ہم کو قائم رکھے۔ بلکہ کونسل کے ممبر اور اسلامیہ سکول بھی ظاہر ظہور اسی شہنشاہ کے دربار کے بھکاری ہیں۔ یہ ممبر تو اسلام کے نام پر ووٹ مانگتے ہیں اور یہ اسکول اسلام کے نام پر مسلمانوں کے صدقات خیرات حاصل کرتے ہیں۔ ان کو بھی لازم ہے کہ کونسل میں پہنچ کر اسلام کی خیر خواہی کریں۔ اور اسلامیہ اسکولوں کو صحیح معنوں میں اسلامیہ اسکول بنا دیں اور مجھ فقیر کے لئے بھی دعا کریں کہ رب تعالے صحیح معنی میں مسلمان بنائے اور ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

ابھی ۱۹۴۶ء میں الیکشن میں ہندوستان میں مسلم لیگ نے بے مثل کامیابی حاصل کی جس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ فتح نہ مسٹر جناح کی تھی نہ کسی اور شخص کی۔ بلکہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی فتح ہوئی کہ مسلمانوں نے لفظ مسلم کو ووٹ دیئے۔ اسی راج والے تخت والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈنکے کونین میں بج رہے ہیں ٭



دُوسرا باب

سلطنتِ مصطفٰی پر اعتراضات و جوابات

نوٹ ضروری: اس مسئلے پر جس قدر اعتراضات کئے گئے ان سب کی وجہ یہ ہے کہ معترضین نے اس مسئلے کو سمجھا ہی نہیں۔ وہ رب کی ملکیت اور حضور کی ملکیت میں فرق نہیں کر سکے تو چیخ اُٹھے کہ اگر حضور علیہ السلام کونین کے بادشاہ ہیں تو پھر خدا کا کیا رہ گیا کہ عالم کے دو مالک ہو گئے یا پھر حضور رب سے بے پرواہ ہو گئے۔ حالانکہ ہر بندہ رب کا حاجتمند ہے۔ اس کو پہلے باب میں بھی سمجھا چکے ہیں اور پھر بھی عرض کر دیں گے۔ اب تک مخالفین جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں وہ حسب ذیل ہیں اور آئندہ جو اعتراضات پیدا ہوں گے ان کے جوابات انشاءاللہ اسی کتاب کے دُوسرے ایڈیشن میں دیئے جائیں گے۔

اعتراض (۱) قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ یعنی اے محبوب تم فرما دو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے پاس کچھ بھی نہیں۔ پھر مالک ہونے کے معنی۔

جواب: اس اعتراض کے چند جوابات ہیں۔ اوّل یہ کہ اس آیت میں خزانے کا مالک ہونے کا انکار نہیں بلکہ دعویٰ کرنے کی نفی ہے یعنی میں لوگوں سے کہتا نہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں کیونکہ دعویٰ وہ کیا کرتا ہے جس میں ضبط کی طاقت نہ ہو۔ رب نے جس طرح ان کو اتنی بڑی بادشاہت دی ہے اسی طرح ان کو ضبط کی طاقت بھی عطا فرمائی ہے جس خزانے میں زیادہ قیمتی مال ہوتا ہے اس کے دروازے پر زیادہ مضبوط قفل ہوتا ہے۔ زبان دل کا دروازہ ہے ؎

بر دہانش قفل و در دل رازہا ... لب خموش و دل پُر از آوازہا

دُوسرے یہ کہ اس آیت میں خزانوں کے پاس ہونے کا انکار ہو سکتا ہے نہ کہ مالک ہونے کا خزانہ خزانچی کے پاس ہوتا ہے مگر مالک کی زبان اور قلم پہ ہوتا ہے شہنشاہ اپنے پاس روپیہ نہیں رکھتے۔ جہاں ان کا فرمان پہنچا خزانچی نے فوراً روپیہ ادا کیا۔ فرمایا یہ جا رہا ہے کہ ہم مالک ہیں خزانچی نہیں۔ "ہماری "ہاں" اور "نا" میں سب کچھ ہے کیا یہ نہ پڑھ چکے کہ اشارے پر بادل برسے اور اشارے پر ہی کھل گئے۔

تیسرے یہ کہ اس آیت میں منافقوں اور کفار سے خطاب ہو رہا ہے کہ اے منافقو تم چور ہو اور ڈاکوؤں سے خزانے چھپائے جاتے ہیں یہ راز صاحب اسرار لوگوں کو بتائے جاتے ہیں اسی لیے مسلمانوں سے فرمایا۔ اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ ہم کو خزانوں کی کنجیاں دی گئیں جس کے حوالے پہلے باب میں گزر چکے۔

چوتھے یہ کہ خزائن اللہ کہتے ہیں پیدا کرنے کو یعنی معدومات کو موجود کرنا۔ اور مخلوق کے خزانے ہیں پیدا کی ہوئی چیزوں کو جمع کرنا۔ جیسے ٹکسال کہ اس میں روپیہ بنتا ہے۔ اور خزانہ کہ اس میں بنا ہوا روپیہ رہتا ہے رعایا میں سے کوئی اپنی ٹکسال نہیں بنا سکتا۔ اگر سکہ بنائے گا تو مجرم ہو گا۔ اور بنے ہوئے روپیہ کا ہر شخص خزانہ بنا سکتا ہے۔

(۱) حق تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ یعنی ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں مگر ان کو ہم اندازے سے دیتے ہیں۔

اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ تمام چیزیں کسی جگہ ہیں وہاں سے نکل رہی ہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ ہم ہر چیز کے خلق پر قادر ہیں اور پیدا فرماتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اس آیت میں حضور کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ یہ فرما دو کہ میرے خزائن الٰہیہ یعنی خلق کی قدرت نہیں۔ یعنی میں خالق نہیں (دیکھو روح البیان یہی آیت) اب رہے مخلوق کے خزانے اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔ کہ مجھے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں۔

اعتراض (۲) قرآن فرماتا ہے۔ قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا

مَا شَآءَ اللّٰهُ ط یعنی اے محبوب فرما دو کہ میں تو اپنی ذات کے لئے بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں۔ مگر جو اللہ چاہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اپنے نفع ونقصان کے بھی مالک نہیں۔ تو دوسروں کو کیا دیں گے!

جواب: معترض نے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ کو نہ دیکھا۔ آیت کا مقصود یہ ہے کہ میں بغیر رب کے چاہے ہوئے کسی نفع ونقصان کا مالک نہیں۔ ہاں اس کے چاہنے اور اس کے دینے سے مالک ہوں تو ذاتی ملکیت کا انکار ہے اور عطائی کا اقرار یہ ہی ہم کہہ رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ معمولی تھانیدار جج تو آپ کو نقصان پہنچا سکے کہ آپ کو حوالات یا جیل میں بھیج دے۔ اور حضور کسی نفع ونقصان کے مالک نہ ہوں

اعتراض (۳) رب فرماتا ہے: قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ یعنی اے محبوب تم فرما دو کہ اگر میرے پاس وہ عذاب ہوتا جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو مجھ میں تم میں کام ختم ہو چکا ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کسی پر عذاب لانے پر قادر نہیں۔ اسی لیے اپنی مجبوری ظاہر فرما رہے ہیں کہ کفار تو عذاب مانگ رہے ہیں اور حضور یہ فرما رہے ہیں۔

نیز قرآن فرماتا ہے: وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَهُمْ بِاٰیَةٍ یعنی اے محبوب اگر ان کفار کا منہ پھیرنا تم پر شاق گزرتا ہے تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر لو یا آسمان میں زینہ۔ پھر ان کے لئے نشانی لے آؤ۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حضور کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ اور نہ حضور کو عذاب لانے کا اختیار۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ سب لوگ اسلام لائیں مگر ایسا نہ ہوا بلکہ آپ کو اس خواہش سے روک دیا گیا۔ اسی طرح ابوطالب کے ایمان کی حضور نے خواہش کی۔ مگر فرما دیا گیا۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ یعنی یہ نہیں ہے کہ جسے تم چاہو اس کو ہدایت کر دو۔ ہاں اللہ جس کو چاہے ہدایت دے دے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو کسی کے ہدایت

دینے کا بھی اختیار نہیں۔ یہ مخالفین کا انتہائی اعتراض ہے۔

جواب: اس اعتراض کا منشاء صرف یہ ہے کہ مخالف نے حضور کی ملکیت رب کے مقابلہ میں مستقل طور پر سمجھی ہے اور یہ ہمارا دعویٰ نہیں۔ ان آیات میں مستقل ملکیت اور قبضہ کی نفی ہے یعنی اگرچہ چیزیں مستقل طور پر میرے قبضہ میں ہوتیں تو میں لے آتا۔ مگر چونکہ رب کی مرضی نہیں کہ اے کفار ابھی تم پر عذاب آئے اس لئے فی الحال عذاب نہیں آ سکتا یا رب کی مرضی نہیں کہ ان کو منہ مانگے معجزات دکھائے جائیں یا کہ ابو طالب ایمان ظاہر کریں۔ مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتے اگر میں ان کاموں میں رب کا حاجتمند نہ ہوتا بلکہ خود مستقل ہوتا تو یہ کام خود کر لیتا۔ آج ہم جن چیزوں کے مالک ہیں۔ زمین، سامان وغیرہ اس میں بغیر مرضی الٰہی کچھ نہیں کر سکتے۔ رب فرماتا ہے۔ وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ تم لوگ بغیر رب کی مرضی کچھ چاہ نہیں سکتے۔ اس سے یہ لازم نہیں کہ ہم اپنی کسی چیز کے مالک بھی نہیں بلکہ مالک حقیقی کے مقابل مالک مجازی کی ملکیت بے حقیقت ہے۔ اسی طرح آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اے محبوب جس کو ہم ہدایت دینا نہ چاہیں تم اس کو ہدایت نہیں دے سکتے جس کو اس سے آگے بیان فرمایا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ اگر اس کا مقصد نہ ہو تو اس آیت کا مطلب ہو گا کہ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ ط کہ قرآن سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے۔ یہاں تو فرمایا کہ خدا کے سوا کوئی ہدایت نہیں کرتا اور وہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ قرآن ہدایت کرتا ہے۔ رب فرماتا ہے وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ط اے محبوب یقیناً آپ سیدھے راستے کی ہدایت فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مستقل طور پر کوئی ہدایت نہیں کرتا اور رب کی عطا سے قرآن بھی ہدایت دیتا ہے اور صاحب قرآن بھی فَاِنِ اسْتَطَعْتَ کی آیت میں بھی یہی فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی یہ کام بغیر ہماری مرضی کے آپ نہیں کر سکتے آج میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ بادشاہ کسی کو اس کی موت کے بغیر پھانسی نہیں دے سکتا یا بغیر مرضی الٰہی کسی کو نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہ بالکل صحیح ہے حالانکہ بادشاہ کو پھانسی دینے، نفع و نقصان پہنچانے کا مختار بنایا گیا ہے ورنہ وہ بادشاہ کیسا اور رعایا اور بادشاہ کیسا اور رعایا اور بادشاہ میں کیا فرق۔ یہ ہی یہاں بیان ہو رہا ہے۔ بلا تشبیہ جیسے بادشاہ رب کا حاجتمند اور رعایا کا حاجت روا ہے ایسے ہی سمجھ لو کہ اللہ کے محبوب خالق کے حاجتمند اور مخلوق کے حاجت روا اور مولیٰ کے بندے اور بندوں کے مولیٰ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

ضروری ہدایت: اس کا خیال چاہیئے کہ سوال کرتے وقت ادب کا لحاظ رہے۔ بیدھڑک منہ سے لفظ نکال دینا محرومی کی علامت ہے حق تعالیٰ ان کا رب ہے۔ اور وہ اس کے بندے وہ جس طرح چاہے اپنے پیاروں کو یاد فرمائے اور ان کو نوازے اور یہ حضرات جس طرح چاہیں اپنے رب سے اپنی نیازمندی کا اظہار کریں ہم کمینوں غلاموں کو کیا حق ہے کہ ان بارگاہوں میں جرأت کریں ۔

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از لطفِ رب

اعتراض (۴): قرآن کریم فرماتا ہے: اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ اے محبوب تم ان کے لئے دعا مغفرت کر دیا نہ کرو اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو تو اللہ ہرگز ان کو نہ بخشے گا۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ منافقوں کے لئے اگر حضور دعا بھی کریں۔ تب بھی رب تعالیٰ قبول نہ فرمائے گا۔ پھر ملکیت اور محبوبیت کی وہ شان کہاں رہی جو تم بیان کرتے ہو۔

جواب: یہ آیت تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ شان بیان کر رہی ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو حضور کے غلاموں کو طعنے دے کر آقا کے دل کو ایذا پہنچاتے تھے چنانچہ اس سے پہلے یہ آیت ہے۔ اَلَّذِيْنَ

يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ ط یعنی جو لوگ صدقہ کرنے والے لوگوں کو عیب لگاتے ہیں الخ معلوم ہوا کہ وہ لوگ بارگاہِ نبوّت کے مجرم ہیں ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ اے محبوب انہوں نے آپ کو ایذا دی ہے اس لئے ہم ان کے قصور معاف فرمائیں گے۔ معلوم ہوا کہ جو مصطفٰے علیہ السلام کی بارگاہ کا مجرم ہو جائے اس کی کہیں اپیل ہی نہیں اور اس کو کہیں بھی پناہ نہیں ملتی۔ یہ ہی اس آیت کے معنی بتائے جا رہے ہیں۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ اللہ و رسول کے منکر ہو گئے۔

لطیفہ : محبوب کا حسن بے اختیار ہوتا ہے اور چاہنے والے کی محبت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اپنے محبوب کے مجرم کو کبھی نہ معاف کرے۔ حضور علیہ السلام رحمۃٌ للعالمین ہیں آپ کی رحمت بے اختیاری ہے کوئی کیسی ہی خطا کرے۔ مگر کرم فرمانے میں تامّل نہیں۔ رب کی محبت یہ ہے کہ ان مجرموں کو کبھی نہ بخشے۔ کیونکہ وہ محبوب کے مجرم ہیں اور ان لوگوں کو نہ بخشنے میں حضور کی عزت افزائی ہے ؎

خدا جس کو پکڑے چھڑا لے محمّد | محمّد جو پکڑیں نہیں چھوٹ سکتا

یعنی جو اللہ کی پکڑ میں آ گیا حضور علیہ السلام اس کی شفاعت فرما کر رب سے معافی دلا دیں مگر جو شفیع المذنبین کی پکڑ میں آ گیا اس کے لئے اب کون سفارش کرے اس لئے صوفیائے کرام فرماتے ہیں :

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

یعنی خدا کی بارگاہ میں دیوانہ بن کر آ سکتے ہیں مگر مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ذرا ہوش سنبھال کر آنا۔ یہاں اونچی آواز کرنے پر اعمال ضبط ہو جاتے ہیں یعنی بزرگانِ دین جذبہ میں اَنَا الْحَقّ کہہ گئے مگر کسی نے آج تک اَنَا مُحَمَّد نہ کہا ؎

اونچے اونچے یہاں جھکتے ہیں | سارے انہیں کا منہ تکتے ہیں
جن و ملک ان کے سلامی | فخر ہے سب کو ان کی غلامی

اعتراض (۵) : رب تعالیٰ فرماتا ہے : لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ یعنی اے محبوب یہ بات تمہارے ہاتھ میں نہیں یا تو اللہ انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب کرے کہ وہ ظالم ہیں دیکھو حضور علیہ السلام نے بیرِ معونہ کے کفار پر دعائے عذاب فرمائی۔ تو حضور کو اس دعا سے روک دیا گیا اگر وہ مالک ہیں یا ان کی ہر بات بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوتی ہے تو آیت کے کیا معنی ہوں گے۔

جواب : یہ آیت تو حضور علیہ السلام کی شان بتا رہی ہے۔ عادتِ الٰہیہ یہ ہے اگر اس کا کوئی پیارا بندہ کسی ایسی بات میں دعا کرنا چاہے جس کے خلاف ارادۂ الٰہی ہو چکا ہے تو ان کو دعا سے روک دیا جاتا ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اے محبوب یہ بات ہمارے ارادے کے خلاف ہے اور ارادۂ الٰہیہ کے خلاف ہونا ممکن نہیں اور یہ بھی ہم نہیں چاہتے کہ تمہاری بات خالی جائے لہٰذا آپ اس معاملے میں دعا ہی نہ کریں۔ اس میں ان انبیائے کرام کی عزت افزائی ہے آج ہم ہزاروں دعائیں کرتے رہتے ہیں کچھ بھی نہیں ہوتا مگر ان سے ایسی دعائیں کرائی ہی نہیں جاتیں جو نہ ہو سکیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاہا کہ قومِ لوط کے واسطے دعا فرمائیں تو حکم ہوا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ط اے ابراہیم اس دعا سے بچو کیونکہ اب اس قوم پر عذاب آنے ہی والا ہے اس طرح حضور علیہ السلام کو اس دعا سے روکا گیا اور اس روکنے میں حضور کی عزت افزائی ہوئی۔

اعتراض (۶) قرآن کریم فرماتا ہے اے محبوب فرما دو اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام اپنی طرف سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے بلکہ صرف وحی سے حکم دیتے تھے۔ اور تم کہتے ہو کہ حضور علیہ السلام مالکِ احکام تھے۔ اب وہ مالکِ احکام کہاں ہوئے بلکہ ہماری طرح بندۂ مجبور (معاذ اللہ)

جواب : یہ آیت پوری نہ پڑھی پوری آیت یہ ہے۔ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْ

اَنْ اُبَدِّلَہٗ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِیْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ۔ یعنی اے محبوب فرمادو کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے قرآن کو بدل دوں میں نہیں پیروی کرتا مگر وحی الٰہی کی۔

واقعہ یہ تھا کہ عاص ابن وائل نے ایک دفعہ عرض کیا کہ یا تو آپ اس قرآن کو بدل دیجئے یا کوئی اور دوسرا قرآن لائیے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اس کو یہ جواب دلوایا گیا کہ اے محبوب فرمادو کہ میں یہ کچھ نہیں کرسکتا۔ میں تو صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں یعنی جو رب کی طرف سے آتی ہے۔ وہی پہنچا دیتا ہوں اس میں اپنی طرف سے کمی نہیں کرسکتا جیسے کہ علمائے یہود نے کی تھی تو اس جگہ اتباع سے مراد ہے قرآن کا بے کمی دبیشی اظہار یعنی جو آئے اسی کا بتادینا اور مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِیْ میں اس طرف نہایت باریک اشارہ ہے کہ قرآن اپنی رائے سے نہیں بدل سکتا۔ ہاں رب تعالیٰ سے عرض کرکے بدلوا سکتا ہوں اور ایسا بہت ہوا ہے۔ کہ قرآنی آیات حضور کی مرضی کے مطابق نازل ہوئیں یا بدلی گئیں یعنی منسوخ ہوئیں جس کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں :-

اوّل بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ تھا۔ مگر محبوب علیہ السلام کی خوشی یہ تھی کہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ معظمہ قبلہ ہوجائے۔ ایک دن بار بار آسمان کی طرف سرِ نیاز اٹھا کر نگاہ ناز فرما رہے تھے یعنی یہ انتظار تھا کہ قبلہ کی تبدیلی کا حکم آجائے۔ رب تعالیٰ نے اس محبوبانہ ادا کو نہایت پسند فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْھِکَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَۃً تَرْضٰھَا اے محبوب ہم آپ کے آسمان کی طرف منہ اٹھانے کو دیکھ رہے ہیں۔ اچھا اب تم کو اسی قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں۔ جس کو آپ چاہتے ہیں (ف) اس سے معلوم ہوا کہ چونکہ آپ کی خوشی یہ ہے لہٰذا ہم بھی اسی کو قبلہ بناتے ہیں جس کو محبوب تم چاہو۔ دیکھو یہ نسخ حضور علیہ السلام کی رضا جوئی کے لئے ہوا۔

تفسیر روح المعانی میں آیت وَلِکُلٍّ وِّجْھَۃٌ ھُوَ مُوَلِّیْھَا کی تفسیر میں

ہے کہ ہر قوم بلکہ ہر چیز کا علیحدہ قبلہ ہے جدھر اس کی توجہ ہے فرشتوں کا قبلہ بیت المعمور ہے دعا کا قبلہ آسمان۔ ارواح کا قبلہ سدرۃ المنتہیٰ اور حضور کا قبلہ جسم کعبہ معظمہ اور قبلہ روح رب تعالیٰ ہے۔ اور خود رب کا قبلہ اس کے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ہر وقت رب تعالیٰ کی ان پر نظر کرم ہے مثنوی میں ہے ؎

قبلۂ شاہان بود تاج و کمر   قبلۂ ارباب دنیا سیم و زر
قبلۂ صورت پرستاں آب و گل   قبلۂ معنیٰ شناساں جان و دل
قبلۂ عاشق وصال بے زوال
قبلۂ عارف جمال ذوالجلال

غرضکہ قبلہ کی تبدیلی حضور علیہ السلام کی خاطر ہوئی۔

اسی طرح اوّل یہ آیت اتری وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللہُ یعنی اگر تم اپنے دل کی بات ظاہر نہ کرو یا کرو۔ بہر حال حق تعالیٰ حساب لے گا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ دل کے خیالات کا بھی حساب ہوگا۔ مگر محبوب کی مرضی یہ تھی کہ دل کا رب تعالیٰ حساب نہ لے کیونکہ طاقت کے باہر ہیں۔ لہٰذا حکم آیا لَا یُکَلِّفُ اللہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا رب تعالیٰ کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ دل کے برے خیالات جو بے اختیار دل میں آجائیں۔ معاف ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقعہ پر دعا فرمائی۔ کہ حاجی کے سارے گناہ معاف فرمادے۔ حکم الٰہی آیا کہ حقوق العباد کے سوا سارے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔ مزدلفہ میں بھی دعا فرمائی کہ خداوندا حاجی سے بندوں کے حق بھی معاف فرمادے۔ حکم ہوا کہ وہ بھی معاف فرمادیئے گئے۔ دیکھو مشکوٰۃ کتاب الحج باب الوقوف بعرفہ اس قسم کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللہِ لَاَبَرَّہٗ

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ اِنْ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰی اِلَیَّ اور

جو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں وہ بھی وحی ہے اس لئے حدیثِ متواتر سے قرآن کا منسوخ ہونا جائز اور بہت جگہ حضور نے بعض حضرات کو قرآنی احکام سے علیحدہ فرما دیا جس کے حوالے گزر چکے ہیں اگر اس پیش کردہ آیت کے یہ معنی ہوں کہ میں صرف قرآن کی پیروی کرتا ہوں تو حدیث کا بھی انکار ہو جائے گا۔

اعتراض (۷) حضور علیہ السلام نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ (مال) لے کر چھوڑ دیا اس پر عتاب الٰہی آیا اور رب تعالیٰ نے ناراضی کا اظہار فرمایا اگر حضور مالک احکام ہوتے تو آپ کو اختیار ہوتا کہ جو چاہیں وہ کریں ان کے کسی مبارک فعل پر عتاب کیوں آتا۔

جواب: اس واقعہ سے تو حضور کی ملکیت ثابت ہوتی ہے اوّلاً تو اس لئے کہ اگر آپ بندۂ مجبور تھے تو یہ جرأت ہی کیوں فرمائی کہ بغیر وحی آئے قیدیوں سے فدیہ لے لیا اور ان کو چھوڑ بھی دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سے عادت کریمہ تھی کہ اپنی مرضی پاک سے احکام جاری فرما دیا کرتے تھے تب ہی تو آج اس پر عمل کیا دوسرے اس لئے کہ اگر حضور علیہ السلام مالک احکام نہ تھے تو یہ فیصلہ غلط ہوتا اور جو روپیہ کہ فدیہ کا آیا تھا یا تو کفارِ مکہ کو واپس ہوتا یا دریا میں غرق کرا دیا جاتا کیونکہ جو روپیہ ناجائز سے آئے اس کو کام میں لانا جائز نہیں نیز آئندہ کے لئے منع فرما دیا جاتا کہ اب کبھی فدیہ نہ لیا کرنا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ بلکہ وہ روپیہ مسلمانوں کے لیے حلال رہا کہ فرمایا گیا۔ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۝ اے مسلمانو! جو غنیمت تم نے لی ہے وہ کھاؤ حلال اور پاکیزہ اور لطف یہ ہے کہ اس آیت پیش کردہ کے نزول کے بعد بھی حضرت عباس اور حضرت ابو العاص زوج زینب بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فدیہ لیا گیا اور آئندہ کے لئے یہ قاعدہ بن گیا۔ کہ مسلمان اگر چاہیں تو کافر قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا کریں کہ فرمایا گیا فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً یا قیدیوں کو احسان کر کے چھوڑ دیا ان سے فدیہ لے لو اگرچہ احناف کے نزدیک یہ حکم بھی بعد کو منسوخ ہو گیا مگر اس وقت تو یہ قاعدہ بن

گیا عجب معاملہ ہے کہ بقول مخالفین فدیہ لینے پر عتاب بھی آ رہا ہے اور فدیہ کھانا جائز بھی ہے اور آئندہ کے لئے یہ حکم باقی بھی رکھا جا رہا ہے۔

تیسرے اس لئے کہ رب تعالیٰ اگر اس فدیہ لینے سے ناراض تھا تو فدیہ لینے ہی کیوں دیا اول ہی سے یہ آیت نازل فرما کر مسلمانوں کو اس سے کیوں نہ روک دیا۔

اب اپنی بات کا جواب سنو! معاملہ یہ ہے کہ ماتحت کا عملدرآمد حاکم اعلیٰ کے حکم سے رک بھی سکتا ہے اور بدل بھی سکتا ہے اور اس پر عتاب بھی آ سکتا ہے یہ باتیں مالک ہونے کے خلاف نہیں۔ دیکھو میں اپنا ذاتی مکان فروخت کرتا ہوں مگر بعض وقت حکومت اس بیع کو روک دیتی ہے اور کبھی بیچے ہوئے مکان کو واپس کرا دیتی ہے اور بیع کرنا جائز قرار دیتی ہے اور اگر بغیر رجسٹری کے مکان بیچ دوں تو مجھ پر عتاب بھی کرتی ہے سزا بھی دیتی ہے اور جنگ کے زمانے میں جس رعایا کا مکان چاہتی ہے اپنے قبضے میں کر لیتی ہے اور اپنے کام میں لاتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اپنے مکان کا مالک نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ میری ملکیت سے بڑھ کر بادشاہ کی ملکیت ہے اس لئے یہ معاملہ ہو رہا ہے یہاں بھی حضور کا یہ حکم عالی رب تعالیٰ کی رجسٹری کے بغیر ہو گیا۔ تو فیصلہ قائم رکھا گیا۔ مگر رجسٹری نہ کرانے پر توجہ دلائی گئی کہ اے محبوب اتنا بڑا کام فیصلہ کئے بغیر نہ ہونا چاہیئے تھا غرضکہ یہ آیت حضور علیہ السلام کی ملکیت کی دلیل ہے۔

اعتراض (۸): جب کفار نے حضور علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ آپ سونے کا پہاڑ، عمدہ میوے کا باغ اور پانی کی لہریں ظاہر کیجئے تو جواب دیا گیا کہ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ط میں تو بشر رسول ہوں یعنی اپنی عاجزی کا اظہار کیا گیا اگر حضور مالک ہوتے تو ان چیزوں کو ظاہر کر دیتے اپنے عجز کا اظہار کیوں فرماتے؟

جواب: ان سوالات سے کفار کا مقصد یہ تھا کہ یا رسول اللہ اگر آپ یہ کام کر کے دکھا دیں تو ہم آپ کو نبی مان لیں ورنہ نہیں۔ یعنی نبوت کو ان باتوں پر موقوف رکھا اس جواب میں ان کے اس قاعدے کی غلطی بیان فرمائی گئی۔ یعنی نبوّت ان

چیزوں پر موقوف نہیں کہ جو یہ کام کر دکھائے وہ تو نبی ہو اور جو سونے کا پہاڑ نہ بنادے وہ نبی نہ ہو بلکہ نبوت انسانی صفات میں سے ایک صفت ہے ہم نے نبوّت کا دعوٰی کیا ہے نہ کہ خدائی کا حضور علیہ السلام کی کونین میں بادشاہت صرف نبوت کی وجہ سے نہیں مانتے بلکہ ان دلیلوں کی وجہ سے مانتے ہیں جو پہلے باب میں بیان ہوئیں۔

اچھا یہ تو بتاؤ کہ اس جگہ تو فرمادیا گیا کہ بشر رسول ہوں اور بہت سے موقعوں پر لوگوں نے بڑے بڑے معجزے طلب کئے اور بے تکلّف دکھا دیئے گئے۔ چاند۔ پھاڑ دیا۔ ڈوبے ہوئے سورج کو واپس بلالیا۔ مُردوں کو زندہ کیا گیا تو اگر حضور علیہ السلام بندۂ مجبور ہیں تو وہاں یہ قدرت خداداد کیوں دکھادی؟ وجہ یہ ہے کہ جنہوں نے ان قدرتوں کو نبوت کا معیار مان کر معجزہ مانگا ان کو منع کر دیا گیا اور جن لوگوں نے خداداد سلطنت کا نظارہ کرنا چاہا ان کو دکھا دیا گیا۔ بلکہ حدیث صحیح میں ارشاد ہوا کہ اگر ہم چاہیں تو پہاڑ سونے کے ہو کر ہمارے ساتھ چلیں۔ معلوم ہوا کہ اس پر قادر ہیں مگر اس کا اظہار نہیں فرماتے۔

بتاؤ موجودہ بادشاہ سونے کا پہاڑ دُودھ کی نہریں بنا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پھر وہ بادشاہ مختار بھی ہیں کہ نہیں بے شک ہیں۔ اگر حضور علیہ السلام کو سونے کا پہاڑ بنانے پر قدرت نہ ہو تو اس سے آپ کی ملکیت اور سلطنت اور خداداد اختیارات میں کیا فرق آیا۔ خلق اور چیز ہے۔ اور ملک کچھ اور عجیب عقل ہے کہ ملک کی نفی میں نفی خلق سے استدلال لاتے ہو۔

اعتراض (۹) حضور نے اپنی اول تبلیغ میں فرمایا کہ اے فاطمہ بنت رسول اللہ! تم جو چاہو میرا مال مانگ لو وَلَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا میں تم سے خدا کے غضب کو مٹا نہیں سکتا جب حضور علیہ السلام اپنی لختِ جگر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مصیبت دفع نہیں کر سکتے تو ہم سے کس طرح دفع کر سکتے ہیں پھر ملکیت کہاں رہی۔

جواب: اس روایت میں مستقل ذاتی ملکیت کا انکار ہے یعنی اے فاطمہ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا اور رب کا ارادہ ہو گیا کہ تم پر عتاب آجائے تو میں رب کے

مقابلے میں تم سے کسی مصیبت کو دفع نہیں کر سکتا اور اس سے مقصود دوسروں کو سُنانا ہے اس لئے مِنَ اللّٰہِ فرمایا گیا اور یہ کسی کا عقیدہ نہیں کہ کوئی رب کا بندہ رب سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ معاذ اللہ جو کوئی جو کچھ بھی کرتا ہے وہ رب کی دی ہوئی قدرت اور اسی کے ارادے سے کرتا ہے۔

ان تمام اعتراضوں کی بناء اس پر ہے کہ معترض نے سلطنتِ مصطفٰے کے معنی نہیں سمجھے اور ذاتی و عطائی مستقل اور غیر مستقل میں فرق نہیں کیا۔

شامی جلد اوّل بحث غسل میّت میں ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بغیر رب کے مالک کئے ہوئے میں تم سے مصیبت دُور نہیں کر سکتا حضور علیہ السلام تو اجنبی لوگوں کو شفاعت سے نفع پہنچائیں گے پھر اپنے اہل قرابت مومنین کو کیوں محروم چھوڑیں گے۔

حدیث پاک میں ہے کہ کُلُّ نَسَبٍ وَّسَبَبٍ یَّنْقَطِعُ بِالْمَوْتِ اِلَّا نَسَبِیْ وَسَبَبِیْ یعنی موت سے تمام رشتے اور سلسلے ٹوٹ جاتے ہیں۔ سوائے ہمارے رشتے اور سلسلے کے اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلثوم بنت فاطمہ زہرا سے نکاح کیا تاکہ حضور علیہ السلام سے ان کا سُسرالی رشتہ قائم ہو جائے اور یہ آیت کہ یعنی جب صور پھونکا جائے گا لوگوں کے نسب ٹوٹ جائیں گے۔ اس آیت کے حکم سے حضور علیہ السلام کا نسب علیٰحدہ ہے۔ انتہٰی شامی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فاطمہ زہرا کی بڑی ذات ہے سادات کرام کو ہی نسب کام آئے گا بشرطیکہ مومن ہوں۔ مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے صحابی کا کچھ تھوڑے جو خیرات کرنا اوروں کے پہاڑ برابر سونا خیرات کرنے سے بہتر ہے حضور علیہ السلام کی صحبت پاک کے یہ درجے ہیں تو جو لختِ جگر اور نورِ نظر ہوں رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے مدارج تو رب ہی جانے ؎

خونِ خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر
ان کی اس پاک طینت پہ لاکھوں سلام

اعتراض (۱۰) : احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت دفعہ حضور صلے اللہ علیہ السلام پر مسائل پیش ہوئے تو خود فیصلہ نہ فرمایا بلکہ وحی کا انتظار فرمایا جیسے کہ قبلہ بدلنے کا حکم جس کا واقعہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لوگوں نے تہمت لگائی تو خود کوئی فیصلہ نہ فرمایا بلکہ وحی کا انتظار فرمایا اگر حضور خود مالک احکام ہوتے تو ہر بات کا خود ہی فیصلہ فرما دیا کرتے ؎

مصطفےٰ ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے جبرائیل
جبرائیل ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

جواب : ان جیسے واقعات میں کچھ حکمتوں کی وجہ سے حضور نے اپنی ملکیت سے کام نہ لیا براہِ راست رب سے فیصلہ کرایا۔ اس میں بہت راز ہوتے تھے کبھی تو یہ کہ مخالف لوگ ہم پر اعتراض نہ کریں کبھی یہ کہ اس سے اس مسئلہ کی اہمیت معلوم ہو کبھی اپنی زندگی کا اظہار مثلاً عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لوگوں نے تہمت لگائی۔ اگر خود ہی فیصلہ فرما دیا جاتا تو منافقین تو کہتے کہ اپنی بیوی پاک کی طرفداری فرمائی۔ اور حضرت صدیقہ کو وہ عظمت حاصل نہ ہوتی کہ قرآن نے ان کی پاکدامنی اور عصمت کے خطبے پڑھے۔ اب قیامت تک ہر نمازی ہر حافظ ہر تلاوت کرنے والا ان کی عفت کے گیت گاتا رہے گا۔ اسی طرح اگر خود اپنے حکم سے قبلہ بدل دیا جاتا تو مخالفین اور منافقین کا آپ پر اعتراض ہوتا کہ انبیاء کے قبلے کو بدل دیا اس لئے رب نے خود قبلہ کو بدل کر تمام ذمہ اپنے کرم پر لے لیا اور فرمایا فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا اے پیارے ہم آپکو اس قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں۔ جس سے آپ خوش ہوں بولو ہم پر کسی کو کیا اعتراض ہے حضرت زید کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ السلام نے نکاح کیا لوگوں نے اعتراض کیا۔ رب نے ارشاد فرمایا فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا یعنی ہم نے اپنے محبوب کا نکاح زینب سے کر دیا جس کو اعتراض کرنا ہو وہ مجھ پر کرے۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ سب کے نکاح ان کے ماں باپ کرتے ہیں۔

لیکن میرا نکاح میرے رب نے کرایا۔ سب کے نکاح فقط فرش پر ہوتے ہیں۔ میرا نکاح عرش پر بھی ہوا۔

ان واقعات سے تو حضور کی ملکیت کے ساتھ ان کی محبوبیت کا پتہ لگ گیا۔
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

دیکھو ہم لوگ اپنی معمولی چیزیں خود فروخت کر دیتے ہیں نہ گواہ کی ضرورت ہوتی ہے نہ رجسٹری کی۔ لیکن بڑی اہم چیزوں کو جیسے باغ۔ مکان۔ زمین وغیرہ بغیر رجسٹری گواہ نہیں فروخت کرتے ہم دونوں چیزوں کے مالک تو ہیں مگر جن چیزوں میں جھگڑے پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے اس میں گورنمنٹ کو ذمہ دار بنا لیتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے بھی بعض بڑے اہم مسائل کی ذمہ داری خود لی اور ہزارہا احکام میں حضور علیہ السلام نے خود حکم دیئے۔

نکتہ : ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا آج ہم نے شیطان کو پکڑ لیا تھا اور اگر اسے ستون سے باندھ دیتے تو مدینے کے بچے اس سے کھیلتے۔ مگر حضرت سلیمان کی یاد آگئی کہ انہوں نے عرض کیا رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ اے رب تو مجھے ایسی حکومت عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو۔ لہذا اس کو چھوڑ دیا۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی سلطنت تمام جن وانس، ہوا وغیرہ سارے عالم پر ہے مگر اس کا اظہار نہیں فرمایا گیا۔ کیونکہ یہ سلطنت حضرت سلیمان کا خاص معجزہ بن چکی تھی۔ وہ خصوصیت دوسری جگہ ظاہر نہ ہونا چاہیئے۔

اعتراض (۱۱) : اگر حضور علیہ السلام تمام عالم کے مالک ہیں تو خود عیش آرام کی زندگی کیوں نہ گزاری۔ تکلیف میں کیوں گزر فرمائی؟

جواب : اپنی ملکیت کو اپنی ذات کریمہ پر استعمال نہ فرمایا۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ مالک نہیں روزے کی حالت میں ہم لوگ دن بھر اپنی روٹی اپنا پانی استعمال نہیں کرتے اس لئے نہیں کہ ہم ان چیزوں کے دن میں مالک نہیں بلکہ

اس لئے کہ اس وقت کھانا پینا رضائے الٰہی کے خلاف ہے۔ حضور نے بھی اس جہاں میں اپنی چیزوں کو اپنی ذات پر استعمال نہ کیا اس جہاں میں ہر چیز حضور ہی پر قربان ہوگی ان کے صدقے سے ان کے غلاموں کو بھی ملے گی کیونکہ آپ کی زندگی پاک تمام دنیا کے لئے نمونہ اور دستور العمل ہے اور دنیا میں فقیر بھی ہوں گے اور مالدار بھی۔ اگر زندگی عیش میں گزاری جاتی تو فقرا کے لئے نمونہ قائم نہ ہوتا لہٰذا کبھی تو مال قبول فرمایا اور اس دولت رب کا شکر اور صدقات و خیرات فرما کر مالداروں کے لئے نمونہ قائم فرمایا اگر تم کو خدا مال دے تو اس طرح اس کی راہ میں خرچ کرو اور کبھی مال قبول نہ فرمایا اور صبر کا نمونہ پیش فرما دیا کہ فقراء اس کو دیکھ کر اس طرح صبر کریں۔ سبحان اللہ! ایک جنگ میں شکم پاک پر پتھر بندھے ہیں اسی حالت میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ نے دعوت کر دی تو چار سیر جو کے آٹے سے صدہا آدمیوں کو سیر کر دیا جیسا کہ پہلے باب میں آپ پڑھ چکے غرض کہ یہ زندگی پاک مجبوری کی وجہ سے نہ تھی بلکہ حق یہ ہے ؎

مالک کونین ہیں پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں انکے خالی ہاتھ ہیں

بخیل وہ جو نہ کھائے نہ کھلائے سخی وہ جو خود بھی کھائے دوسروں کو بھی کھلائے مگر جواد وہ ہے جو خود نہ کھائے اوروں کو کھلائے اسی لئے رب کو سخی نہیں کہتے۔ جواد کہتے ہیں کہ هُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ۔ وہ کھانا کھلاتا ہے خود نہیں کھاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفت جواد کا مظہر ہیں کہ کھاتے نہیں کھلاتے ہیں۔ (تفسیر روح البیان) اور جو کچھ کھاتے بھی ہیں وہ بھی امت کی تعلیم کے لئے ورنہ انہیں کھانے کی بالکل حاجت نہیں۔ کھانا ان کا محتاج ہے وہ رب کے سوا کسی چیز کے حاجتمند نہیں خود فرماتے ہیں اَيُّكُمْ مِثْلِي يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِيْنِي۔ تم میں ہم جیسا کون ہے ہمیں رب تعالیٰ غیبی رزق کھلاتا اور پلاتا ہے۔ جب کبھی بھوک کی تکلیف ظاہر ہوتی ہے تو وقت بشریت کے ظہور کا ہوتا ہے اور روزہ

کے وصال میں نورانیت جلوہ گر ہے۔ خیبر میں زہر نے اثر نہ کیا بوقت وصال شریف زہر کا اثر ہوا۔ موت کا وقت بشریت کے ظہور کا وقت ہے کہ موت بشریت پر طاری ہوتی ہے یہ نہایت باریک کلام ہے اس کی تفصیل مرقاۃ شرح مشکوٰۃ یا روح البیان یا لمعات میں دیکھو۔ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمْ ط۔

خَاتِمَہ

اس کتاب کی تصنیف کے دوران میں میرے محترم دوست سیٹھ عبد الغنی صاحب تاجر نے مجھ سے فرمایا کہ وفادار رعایا کو شوق ہوتا ہے کہ اپنے شہنشاہ کا دیدار کریں اور یہ ہمارا نصیب نہ تھا کہ زمانۂ پاک میں پیدا ہوتے اور ان ناچیز آنکھوں سے وہ جمال جہاں آرا دیکھتے اور دل کی حسرتیں نکالتے ؎

ہوتے صدقے کبھی ناقہ کے کبھی محمل کے — ساربان کے کبھی ہاتھوں کی بلائیں لیتے
دشت طیبہ میں ترے ناقہ کے پیچھے پیچھے — دھجیاں جیب و گریباں کی اڑاتے جاتے

اب جبکہ ہم ناچیز تیرہ سو برس کے بعد پیدا ہوئے تو کم از کم آپ کو حضور کا حلیہ شریف ہی بتائیں جس کو دیکھ کر تسلی ہو مجھے ان کا یہ جذبہ بہت پسند آیا اور ارادہ کر لیا کہ اب اس کتاب کو حلیہ شریف کے ذکر پر ختم کروں اور مسلمانوں سے گزارش ہے کہ اس حلیہ شریف کو اپنے خیال میں لیں یہاں تک کہ یہ حال ہو جائے ؎

دِل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اور یقین سے جانیں کہ وہی گھر آباد ہوتا ہے جس میں گھر والا ہو اور جو مالک سے خالی ہے وہ ویران ہے اسی طرح وہ دل آباد ہے جس میں انکا دھیان ہے نہ کہ برباد

آباد وہی دل ہے جس میں تمہاری یاد ہے
جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم الیٰ یوم القیام بعض موقعوں پر یہ حدیث بیان فرماتے ہوئے جوش میں فرما دیتے تھے۔ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم گویا میں اس وقت حضور کو دیکھ رہا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تصور میں رہتے تھے۔

اور خیالِ یار کا امتحان قبر میں بھی ہوگا کہ نکیرین پوچھیں گے کہ مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ حَقِّ ھٰذَا الرَّجُلِ تم ان محبوب کے بارے میں کیا کہتے تھے ؟ لطف تو جب ہے کہ خلوت میں وہ جلوہ کا مزہ دے اور یہ ہو کہ ؎

دل میں ہو یاد تیری گوشہ تنہائی ہو
پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو (حسن بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

اور جلوت میں خلوت کا لطف آئے اور یہ صادق ہو ؎

سارا عالم ہو مگر دیدۂ دل دیکھے تمہیں
انجمن گرم ہو اور لذّتِ تنہائی ہو (صدر الافاضل علیہ الرحمۃ)

لو اب باادب اپنے محبوب علیہ السلام کا حلیہ پاک سنو اور اپنے ایمان کو تازہ کرو ؎

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو کہتا ہے کہ ایمان ہیں یہ ایمان یہ کہتا ہے کہ مری جان ہیں یہ

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے ترمذی شریف کے آخر میں ایک رسالہ لگایا جس کا نام ہے شمائل شریف۔ اس رسالہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ جمیلہ کا ذکر ہے۔ ہم اس سے یہ حلیہ شریف نقل کرتے ہیں :



سید فاضل شاہ انور قلمکار گجرات

حُلیہ شریف

اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلّم کا حُلیہ مبارک یہ ہے

قد شریف درمیانہ یعنی نہ بہت دراز نہ بہت مختصر۔ جسم پاک کا رنگ مبارک سفید مائل سرخی (جیسے گلاب کا پھول) نہ تو خالص چٹا نہ گندمی، بال باریک تیز سیاہ جیسے کہ وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی۔ کچھ گھونگروالے خمدار، نہ بالکل سیدھے نہ بالکل پیچ دار۔ مبارک گیسو اکثر تا بگوش اور کبھی تا بدوش یعنی کان کی لو تک اور کبھی کندھوں تک سر مبارک بڑا اور بہت خوب صورت، چوڑی پیشانی باریک اور لمبی بھویں (ابروٹے) ان بھووں کے درمیان باریک سی رگ جو کبھی چمکتی تھی، آنکھیں بڑی بڑی، پلک لمبی، آنکھ کی سفیدی بہت تیز اور پتلیاں خوب سیاہ جن کا سرمہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی یعنی رب کو دیکھ کر نہ جھپکیں، باریک اور لمبی ناک شریف رخسار مبارک کا رنگ چمکدار نہ بہت ابھرے ہوئے اور نہ دبے ہوئے بلکہ درمیانی، چوڑا منہ، پتلے پتلے ہونٹ جیسے گلاب کی پتی۔ چمک دار اور سفید اور چھوٹے چھوٹے دانت جیسے سچے موتیوں کی لڑیاں اور ان کے درمیان میں معمولی سی کھڑکیاں، گھنی داڑھی جس کا رنگ سیاہ درمیانی ریش بچی مبارک، چاندی کی طرح صاف اور سفید گردن شریف دو کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت۔ گردن کے نیچے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ یہ کبوتر کے انڈے کے برابر تھی۔ کچھ ابھرا ہوا گوشت تھا جس پر بال تھے۔ اور پڑھنے میں آتا تھا مُحَمَّدٌ اسی مہر نبوّت کو دیکھ کر حضرت سلمان فارسی وغیرہ ایمان لائے خوب چوڑا سینہ رحمت کا گنجینہ۔ گلے شریف سے ناف تک بالوں کی باریک سی ڈور، شکم مبارک سینے کے برابر نہ ابھرا ہوا نہ دبا ہوا، اس کے ماسوا بھرے ہوئے بازو جن پر کچھ بال کسی قدر لمبی کلائیاں چوڑی اور بھری ہوئی ہتھیلیاں۔ کندھوں اور کلائیوں پر بال انگلیاں مبارک پتلی اور

لمبی پنڈلیاں بھری ہوئی جن پر رونگٹے۔ ایڑیاں پتلی اور قدم بھرے ہوئے کہ زمین پر پورے جم جائیں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ چاندنی رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سُرخ حُلّہ زیب تن فرمائے تشریف فرما تھے میں کبھی آسمان کے چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی اپنے مدینے کے چاند کو (صلی اللہ علیہ وسلم) قسم ہے رب کی حضور چاند سے زیادہ حسین معلوم ہوتے تھے۔ اس کے دیکھنے والوں کی آنکھوں کے قربان۔

دیگر اوصاف

چہرۂ انور بارعب تھا کہ جو اچانک دیکھ لیتا اس کے دل میں رعب اور ہیبتِ آسمانی آجاتی اور جس کو صحبت میں رہنا نصیب ہو جاتا تو اخلاقِ کریمانہ کی وجہ سے حضور سے ایسا مانوس ہو جاتا کہ اور جگہ اس کا دل نہ لگتا۔ اکثر نگاہ نیچی رہتی تھی ؎

اک ماہ بدن، گورا سا بدن، نیچی نظریں کل کی خبریں
وہ سنا کے سخن، دکھلا کے پھبن مرا پھونک گئے سب تن من دھن

چہرۂ انور پر فکر کے آثار نمایاں رہتے تھے جیسے کچھ سوچ رہے ہیں جب کسی طرف نظر فرماتے تو پوری طرح ادھر منہ پھیر کر۔ کبھی قہقہہ نہ فرمایا اکثر تبسم فرماتے تو دانتوں سے نور کی شعاعیں نکلتیں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اس نور میں گم شدہ سوئی تلاش کی جا سکتی تھی ؎

سوزنِ گم شدہ ملتی ہے تبسم سے ترے
شام کو صبح بناتا ہے اجالا تیرا

پسینہ شریف میں گلاب کی تیز خوشبو، جب کسی گلی سے گزرتے تو مکانوں والے لوگ پہچان جاتے اور مدینہ کے لوگ اس پسینہ کو بجائے خوشبو کے استعمال کرتے تھے (مشکوٰۃ) چلنے کی حالت میں زمین لپٹتی تھی کہ حضور علیہ السلام آہستہ چلتے مگر ساتھیوں کو تیز چلنا پڑتا تھا، کبھی خضاب نہ لگایا کیونکہ سر شریف میں تقریباً چودہ[۱۴] بال اور

داڑھی شریف میں چھ بال سفید ہوئے تھے یعنی کل بیس[۲۰] بال سفید تھے۔ بال شریف کی زیارت کرنے والوں نے جو خضاب کی روایت کی وہ اس خوشبو کے رنگ سے دھوکہ کھا گئے جس میں بال شریف رکھے ہوئے تھے۔

کھانے میں بکری کی دستی۔ سرکہ۔ شہد۔ میٹھی چیزیں اور کدّو زیادہ پسند فرماتے تھے۔ لیکن مُرغ اور بٹیر۔ ستّو اور بکثرت خرمے کھانا بھی ثابت ہیں نیز دیگچی کی کھرچن بھی مرغوب تھی۔ بہت دفعہ جَو کی روٹی کھجور سے ملاحظہ فرمائی۔

لباس سفید رنگ کا پسند تھا۔ اکثر عمامہ، قمیص اور تہبند استعمال فرماتے تھے کبھی سیاہ عمامہ بھی ثابت ہے یعنی چادر اور اکثر پیوند والا کمبل شریف استعمال میں رہتا تھا۔

اسی عرشی مہمان صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک کبھی دو تہہ والا ٹاٹ اور کبھی چمڑے کا گدیلہ جس میں کھجور کی چھال کا بھراؤ ہوتا تھا۔

ہدایت

ناظرین رات کو سوتے وقت اس حلیہ شریف کا مطالعہ کیا کریں اور پاک بستر پر پاک کپڑے پہن کر باوضو قبلہ رو سویا کریں اگر ممکن ہو تو سوتے وقت عطر بھی لگا لیں اور ہمیشہ اس امید پر سوئیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہو جائے اس میں یا رب العالمین جس نے خواب میں حضور علیہ السلام کی زیارت کی اس نے حضور ہی کو دیکھا وہ نفسانی، شیطانی یا خیالی نہیں ہوتا بلکہ واقعی ہوتا ہے۔ چہرۂ انور کو نورانی دیکھنا اپنی قوتِ ایمانی کی دلیل ہے اس کے خلاف دیکھنا اپنی کمزوری ایمان کی علامت ہے اسی طرح عمدہ لباس میں زیارت ہونا اپنی نیک عملی کی نشانی ہے اور اس کے برعکس دیکھنا اپنی بدعملی کی پہچان۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

گفت من آئینہ مفتول دوست
ترکی و ہندی بہ بیند آں کہ اوست

حضور علیہ السلام آئینہ قدرتِ الٰہی ہیں آئینہ میں اپنا رنگ نظر آتا ہے ورنہ حضور کو کما حقہٗ بجز پروردگار کسی نے نہ دیکھا۔

جو کوئی اس رسالہ سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ فقیر بے نوا کے لئے خاتمہ بالخیر کی دعا کرے اور دعا کرے کہ رب تعالیٰ فقیر کی ان کتب کو قبول فرمائے اور میرے لئے توشہ آخرت اور صدقہ جاریہ بنائے اور میرے ولی نعمت مرشد برحق صدر الافاضل مولینا الحاج سید محمد نعیم الدین صاحب قبلہ دام ظلہم کا سایہ مجھ پر اور تمام اہل سنت پر قائم رہے آمین یارب العالمین۔

بِنَبِیِّکَ الرَّؤُفِ الرحیم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیرِ خلقہٖ ونورِ عرشہٖ سیّدنا محمدٍ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین برحمتہٖ وھو اَرحم الرّاحمین

احمد یار خاں نعیمی اشرفی



یہ کتاب حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی مبارک زندگی میں لکھی گئی تھی۔ اس وقت یہ دعا کی گئی۔ ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۳ھ کو حضرت نے اپنے رب کی رحمت میں آرام فرمایا۔ اب یوں دعا کیجئے کہ مولیٰ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے معمور فرمائے اور ان کے برکات سے ہمیں مستفید فرمائے۔ آمین

